استاذ العلما

۱۳۳۴ھ

یعنی

حضرت مفتی محمد لطف اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سوانح عمری

مؤلفہٗ

نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی

جو

اول اعظم گڑھ کے نامور رسالہ "معارف" میں اور بعد ازاں

بشکل کتاب

باہتمام محمد مقتدی خان شروانی

شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں چھپی

بار دوم

۱۳۵۶ھ

ایک ہزار جلد

کانفرنس گزٹ علی گڑھ

یعنی

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا تعلیمی و اصلاحی اخبار

جو زیر نگرانی

نواب صاحب ... یار جنگ بہادر آنریری سکریٹری کانفرنس

مہینہ میں چار بار شائع ہوتا ہے - اس میں علی گڑھ کی تعلیمی تحریک مسائل تعلیم و تربیت موجودہ نظام تعلیم اور اصلاح تمدن و معاشرت پر بحث کی جاتی ہے۔ ہندوستان کے اسلامی پریس نے نہایت عمدہ و حوصلہ افزا الفاظ میں اس پر ریویو کیا ہے اور اس کے اخلاقی و اصلاحی بلند پایہ مضامین کی خاص طور پر مدح و ستائش کی ہے اور پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس صوبجات متحدہ نے اپنے اجلاس دہم منعقدہ اکتوبر ۱۹۳۳ء بمقام علی گڑھ کے رزولیوشن کے ذریعے سے پبلک کو اس کی مالی و اخلاقی اعانت پر زور سے متوجہ کیا تھا - طلبا، اساتذہ، والدین اور عام ناظرین غرض سب کے لیے اس کا مطالعہ مفید اور ضروری ہے - اخبار بہت عمدگی، نفاست سے اچھے کاغذ پر چھپتا ہے اور متعدد تعلیم یافتہ و لائق اصحاب اس میں بلند پایہ مضامین لکھتے ہیں اور جدید تالیفات پر خاص اہتمام سے ریویو کر کے ارباب تالیف کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے - نمونہ ایک کارڈ لکھنے پر مفت ملتا ہے - قیمت سالانہ تین روپیہ (سے ر)

اڈیٹر: اکرام اللہ خاں ندوی

ملنے کا پتہ: صدر دفتر کانفرنس سلطان جہاں منزل علی گڑھ

فہرست مضامین

(استاذ العلما)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصبات کا عظیم الشان نظام

جب اس خاکدانِ سفلی میں اسلامی تمدن کی بہار آئی ہوئی تھی اور اُس کے فیض سے ایشیا، افریقہ اور یورپ تینوں براعظم رشکِ گلزار بنے ہوئے تھے، اُس وقت قصبات کا ایک عظیم الشان نظام ممالکِ اسلامیہ میں قائم تھا۔ یہ قصبات زندگی کے سرچشمے تھے جن سے شہر (خصوصاً دار السلطنت) سیراب و شاداب رہتے۔ شہری آب و ہوا دو تین نسلوں کے بعد دماغوں کو سست اور پست کر دیتی تو قصباتی اہلِ کمال تازہ زندگی لے کر پہنچتے اور بزمِ حیات کو از سرِ نو پرنور و معمور فرما دیتے۔ دہلی مرحوم میں شاہ صاحب کا اور لکھنؤ میں فرنگی محل کا خاندان لاکھوں میں دو مثالیں ہیں۔

ہمارا گاؤں (علی گڑھ) بھی دورِ حیات میں اپنے قصبات پر نازاں تھا۔ جلیسر (قدیم جالیسر) سے نصرت خاں عہد علائی کا امیرِ نامور اٹھا۔ امیر خسرو

پٹیالی سے جاکر دارالسلطنۃ بلکہ دنیا کا فخر بنے۔ جلالی کے ذکر سے سفرنامہ ابن بطوطہ معمور ہے۔

وطن | انہی بستیوں میں سے ایک بستی بلکھنہ ہے جو قصبۂ جلالی کے قریب آباد ہے۔ اس کی قدیم عظمت کی یادگار عہد بابری کی مسجد ہے۔ شیخ لکھورن تاریخی ہستی ہیں۔ اسی معدن سے وہ جوہر فرد نکلا جس کے انوار نے اس دور آخر میں علمی مجالس کو منور و تاباں فرما دیا۔

خاندان | کول اور اس کے ملحقہ قصبات و دہات میں شیوخ کے خاندان آباد ہیں جو حضرت شمس العارفین شاہ جمال کی نسل میں ہیں۔

یہ بزرگ اپنے وقت کے اولیاء کرام میں تھے۔ ابن بطوطہ جب کول آیا تو آپ ہی کے پڑوس میں اترا تھا۔ سفرنامے میں حضرت کا ذکر کرتا ہے۔

جو شجرہ اس خاندان میں محفوظ ہے وہ شاہد ہے کہ شیوخ جمالی حضرت امین الامۃ ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہیں۔ اشکال یہاں یہ ہے کہ امام ابن قتیبہ نے المعارف میں حضرت امین الامۃ کے ذکر میں لکھا ہے "لا عقب لہ"۔ محمد لطف اللہ صاحب اسی خاندان سے تھے۔

والد مولوی اسد اللہ فارسی خواں، کول میں وکالت کرتے تھے۔ اسی آمدنی سے بفراغت گزرتی تھی، تمغائے شرافت قصبہ میں املاک بھی تھی جو بھائی کے لئے چھوڑ رکھی تھی، اردو شعر کا ذوق تھا، ایک شعر یاد کر لو

لے اُڑی طرزِ فغاں بلبلِ نالاں ہم سے
گل نے سیکھی روشِ چاکِ گریباں ہم سے

منشی نبی بخش سالک اکبر آبادی نے ایک جنتری کا ذکر کیا ہے جس سے ۱۲ بارہ برس کی تاریخیں معلوم ہو جاتی تھیں۔ انھوں نے چند اشعار لکھے جن سے جتنے سال کی تاریخیں چاہو نکل آتی ہیں۔ رعد مرحوم نے اپنی بڑی جنتری میں چھاپے تھے، میرے پاس بھی محفوظ ہیں۔

آخر عمر میں ضیق النفس میں مبتلا ہو کر خانہ نشین ہو گئے تھے، والدہ سید غلام علی حسینی النسب ساکن علیپور کی دختر نیک اختر تھیں۔ دو چچا تھے، بڑے منشی ہبتہ اللہ فارسی کے ماہر، بڑے شاطر، املاک کا کام کرتے تھے۔ شطرنج کی بہت سی چالوں کے نقشے قلمبند کئے تھے جو ایک ضخیم مجلد میں خاندانی کتاب خانے میں محفوظ ہیں۔ فرائض کا ایک رسالہ بھی خود اُن کے قلم کا لکھا ہوا موجود تھا۔ چھوٹے حکیم اکرام اللہ طبیب تھے، دیرہ دون میں ایک انگریز کا معرکے کا علاج کیا تھا۔ اس نے نوکر رکھ لیا، وہیں وفات پاکر مدفون ہوئے۔ بھتیجے نے تجہیز و تکفین کا اہتمام کیا۔ ان دونوں بھائیوں کے نرینہ اولاد نہ تھی۔

پیدائش — محمد لطف اللہ صاحب لکھتے ہیں ۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے، باپ نے تاریخ کہی "چراغم"، باپ کے اکلوتے بیٹے بلکہ تین گھروں کا چراغ۔

نازونعمت، لاڈ پیار میں پرورش ہوئی۔ جامع حالات صاحبزادے نے لکھا ہے کہ اسی پرورش کا اثر تھا کہ مزاج میں ایک ضد تھی جو آخر عہد تک باقی رہی۔

بچپن کے ایک رفیق کا بیان ہے کہ لطف اللہ ان کھیلوں میں تو ہمارے شریک ہو جاتے جو شرفا کے لڑکے کھیلتے ہیں۔ عامیانہ کھیلوں میں شرکت نہ کرتے۔ مثلاً گولیوں کا کھیل۔ ہم جب ایسے کھیل کھیلتے تو وہ الگ بیٹھے دیکھتے رہتے

نماز کے بچپن سے عادی تھے۔

ابتدائی تعلیم | بچپنے میں ایک میاں جی موہن لال نامی تھے جو بچوں کو ابتدائی کتابیں کریما، بامقیما وغیرہ پڑھایا کرتے تھے۔ انہی سے پڑھنا شروع کیا۔ ایک روز ایک لڑکا خالق باری پڑھ رہا تھا ع "راسو نولا ہو جان" معصوم لطف اللہ نے ایک ہم مکتب سے کہا "نولا راسو ہے تو بڑا (پنبہ دانہ) براسو ہوگا"۔ دیکھو یہی انتقال ذہن زینت درس بنا۔

ابتدائی رسالے گھر پر پڑھ کر جلیسر اپنی ننھیال میں گئے۔ وہاں مولوی محمد عظیم اللہ سے فارسی پڑھی۔ انتہائی کتابیں اپنے پھوپھا مولوی حفیظ اللہ خاں سے (جن کے خاندان میں خانی کا خطاب شاہی تھا) پڑھیں۔ یہ بڑے خطاط تھے، خاص وصف یہ تھا کہ چند روز میں شاگرد کا خط اپنے خط میں

ملا دیتے تھے۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ میرے خط کی روش پھوپا صاحب کے خط کی روش پر ہے۔ مولوی عبدالغنی خاں صاحب شاگرد رشید فتح اولاً یہ روش استاد سے حاصل کی۔ صاحبزادے بھی عموماً اسی روش پر لکھتے ہیں جو نظر فریب اور منشیانہ پختہ ہے۔

بعض فارسی کی کتابیں مثلاً بہار دانش اپنے خسر سید رونق علی سے بھی پڑھیں۔

تعلیم علوم | فارسی سے فارغ ہو کر پندرہ (۱۵) برس کی عمر کے بعد اس آستانے پر حاضر ہوئے جہاں سے سند فضیلت ملنی مقدر تھی۔

اور یہ سن چکے ہو کہ مولوی صاحب کے والد مولوی اسد اللہ وکالت کرتے تھے۔ اسی سلسلے میں مفتی عنایت احمد صاحب سے تعلقات تھے جو کول میں مفتی و منصف رہے۔ مفتی عنایت احمد صاحب شاگرد تھے مولوی بزرگ علی صاحب کے۔

مولوی بزرگ علی صاحب | مشہور مردم خیز قصبۂ مارہرہ کے کنبوہ خاندان سے تھے۔ وہیں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حسن علی، خواجہ حسن ملتانی کی دسویں پشت میں۔ آغاز شباب تک باوجود باپ کی تاکید کے علم کی تحصیل کی جانب متوجہ نہ ہوئے عشق مجازی کے اثر سے فارسی غزل کا ذوق تھا۔ شوق تخلص کرتے تھے۔ زیادہ تاکید ہوئی تو گھر سے نکل گئے۔ بالآخر باپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت

شاہ آل احمد صاحب عرف اچھے میاںؒ کی خدمت میں دعا کی التجا کی۔ دعا فرمائی جو مستجاب تھی۔ تمام مشاغل چھوڑ کر تحصیل علم میں مصروف ہو گئے۔ اب شوق تھا تو کتاب کا، طلب تھی تو علم کی۔ فرماتے تھے لوگ جوانی میں زندگی کے لطف حاصل کرتے ہیں ہم نے تو شباب علم کی نذر کر دیا۔ ابتداءً لکھنؤ اور کلکتہ میں علم حاصل کیا۔ وہاں کے اساتذہ کے نام معلوم نہ ہو سکے۔ بالآخر دلّی میں اس درس گاہ والا میں حاضر ہوئے جو تمام ہندوستان کی ملجا و ماویٰ تھی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب سے علم حدیث حاصل کیا۔ ریاضی مولوی رفیع الدین صاحب (شاہ صاحب کے بھائی) سے پڑھی جو اس فن میں امامِ وقت تھے۔

تحصیل سے فارغ ہو کر خود درس کی خدمت شروع کی۔ آگرہ میں پڑھایا۔ کلکتہ کے دار العلوم کے مہتمم رہے۔ حکام کے اصرار سے (جو اکثر شاگرد تھے) کول میں منصفی کا عہدہ قبول کر لیا۔ اسی زمانہ میں وہاں کی جامع مسجد میں اس مدرسہ کا احیا کیا جس کو عہد محمد شاہی میں بانی مسجد نواب ثابت خاں نے قائم کیا تھا (اس کا ذکر اخبار الجمال میں ہے)۔

بالآخر منصفی سے استعفا دے دیا جس کو شاگرد حکام نے تلمذ کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے بہت تامل کے بعد منظور کیا۔ مستعفی ہو کر نواب وزیر الدولہ مرحوم کے اصرار پر ٹونک میں عہدۂ قاضی القضاۃ قبول کیا۔

آخر عہد تک وہیں رہے۔ ۱۲۶۲ھ میں انتقال کیا۔ ٹونک میں دفن ہیں، تاریخ نگار نے ان کے یہ اوصاف لکھے ہیں: تقویٰ، تدبر، تواضع، تہذیب، تقریر دل نشیں اور پر اثر۔ ایک بیٹے تھے مولوی محمد صدیق فارغ التحصیل، علم ہندسہ اور نجوم میں ماہر، نیز علم تعبیر رویا میں۔ ٹونک میں عہدۂ قضا پر فائز رہے۔ ۱۲۹۲ھ میں وہیں رحلت کی۔

مولوی بزرگ علی صاحب کی تصانیف میں سے دیوان فارسی قلمی میرے یہاں ہے۔ کلام اوسط درجہ کا ہے، صاف ہے اور پر اثر۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

گر جلوۂ او عام کند پردہ دری را — در شیشہ چو می جوش دہد مغز پری را
زلفت بشکست دل و دین از در دستی — افراختہ قدت علم فتنہ گری را

نے صبر ماند ہرجا اکنوں نہ تاب ما را — اے بے مروت آخر یک رہ بیاب ما را
کے صبح عید بیش صبحم فروغ یابد — چوں نور بخش صبح ست آں آفتاب ما را
در دور چشم مستت میخانہا خراب ست — تنہا نہ لال میگوں دارد خراب ما را

اس زمانہ کی شدید ضرورت کی بنیاد پر متعدد کتابیں فارسی زبان میں رد نصاریٰ میں لکھی ہیں۔ ان میں سے کتاب رد نصاریٰ کا ایک حصہ "رد بشارات" قلمی میرے یہاں بھی ہے۔ اس کا عنوان ہے "بشارات فارقلیط"۔ اس پر بعض عبارتیں مفتی عنایت احمد صاحب کے قلم کی لکھی ہوئی ہیں۔

ایک اور قلمی رسالہ میرے یہاں ہے یہ ایک فارسی معما کی شرح ہے جو
قاضی القضاۃ نجم الدین علی خاں نے تفضل حسین کے نام پر لکھا تھا اور
جس میں بہت سی علمی اصطلاحیں درج کی ہیں اس کا دیباچہ مفتی عنایت احمد
صاحب نے اُستاد کی زندگی میں لکھا تھا۔ اس پر بھی مفتی صاحب کے
قلم کی عبارتیں ہیں۔ یہ رسالے مفتی صاحب کے کتاب خانے سے اور
کتابوں کے ساتھ میرے پاس آئے تھے۔

مفتی عنایت احمد صاحب | اپنے وطن دیوہ ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ ۹ شوال
۱۲۲۸ھ تاریخ ولادت ہے۔ تیرہ برس کی عمر میں رام پور جاکر مولوی سید محمد
صاحب بریلوی سے صرف و نحو اور مولوی حیدر علی صاحب ٹونکی اور
مولوی نور الاسلام صاحب سے دوسری درسی کتابیں پڑھیں۔ وہاں سے
دلی جاکر شاہ اسحٰق صاحب سے حدیث پڑھی، دلی سے علی گڑھ آئے
مولوی بزرگ علی صاحب سے جامع مسجد میں پڑھا، فن ریاضی کی
تکمیل کی۔ بعد فراغ یہیں مدرس مقرر ہوئے۔ ایک سال مدرس رہ کر
مفتی و منصف کے عہدہ پر علی گڑھ ہی میں تقرر ہوگیا۔ اسی دور میں
مولوی لطف اللہ صاحب کے تلمذ کا سلسلہ شروع ہوا۔ مولوی سید
حسین شاہ صاحب بخاری نے بھی اسی زمانہ میں پڑھا۔ سید صاحب
صاحب درس فاضل ہوجانے کے بعد بھی تعجب سے فرمایا کرتے تھے کہ

مفتی صاحب مجھکو ہدایہ اجلاس پر پڑھاتے۔ میں حاضر رہتا جب دوران مقدمہ میں فرصت ملتی اشارہ ہوتا۔ میں پڑھنا شروع کردیتا۔ اسی اثنا میں پھر کام میں مصروف ہوجاتے۔ باوجود اس کے ایسا پڑھایا کہ ساری عمر اُس کی یاد رہی۔
کول سے بریلی کا تبادلہ ہوا۔ کمپین پور کے لئے ایک فخریہ بھی ہے کہ مفتی صاحب نے اثنار راہ میں مع مستورات کے قیام فرمایا تھا۔
بریلی کے قیام میں صدر امین ہوئے۔ وہاں کے تلامذہ میں قاضی عبدالجمیل صاحب قاضی شہر اور مولوی فدا حسین منصف شامل تھے۔
بڑا کارنامہ نواب عبدالعزیز خاں کو (باوجود ان کی آزاد منشی و صاحبزادگی کے) پڑھا دینا تھا۔ نواب صاحب نواب رحمت خاں حافظ الملک شہید مرحوم کے پوتے تھے۔ گزشتہ پراونشل کانفرنس کے موقع پر حافظ الملک شہید کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ مقبرہ کی محراب میں یہ جوہردار شعر لکھا ہوا ہے ؎

سر گشتہ بہ نیزہ می زد نفس
کہ معراج مرداں ہمین ست و بس

قصہ مختصر صدر اعلائی کا پروانہ آگیا تھا کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہوگیا اس کے فرو ہونے پر الزام بغاوت میں انڈمان بھیج دیئے گئے۔ یہ

۱۲۷۴ھ کا واقعہ ہے۔ چار سال جزیرۂ مذکور میں رہے۔ جنگل میں منگل،
اکابر علماء کے قدموں کی برکت سے اِن دنوں یہ بدنام جزیرہ دارالعلوم
بن گیا تھا۔ علاوہ مفتی صاحب کے مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی،
مفتی مظہر کریم صاحب وغیرہ علما بھی وہاں تھے اور سب کے سب باوجود
مصیبت قید اور غریب الوطنی کے خدمتِ علم میں مصروف تھے۔ محقق خیرآبادی
کے ذہن وقّاد کے متعدد نتائج وہیں وجود پذیر ہوئے۔ مفتی مظہر کریم صاحب نے
مراصد الاطلاع کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ مفتی عنایت احمد صاحب نے
کلام مجید حفظ کیا، تواریخ حبیب الٰہ سیرۃ میں تالیف کی۔ تاریخی نام ہے
۱۲۷۵ھ نکلتے ہیں۔ منشی امیر اللہ تسلیم نے الفاظ "تواریخ نبی" سے تاریخ
نکالی۔ یہ کتاب حکیم امیر خاں کی فرمائش سے لکھی گئی تھی جو انڈمان میں
سرکاری ڈاکٹر تھے اور جن کی غم خواری کا اعتراف دیباچہ میں فرمایا ہے۔
حجم سوا سو صفحے کا ہے۔ فی صفحہ سطر ۲۶ (نسخہ مطبع نظامی ۱۲۷۹ھ پیش نظر ہے)
واقعات پوری تفصیل سے بقید تاریخ اور تشریح جزئیات کے ساتھ لکھے ہیں۔
دیباچہ کی شہادت ہے کہ محض یاد سے لکھی گئی۔ قیاس کرو کہ اس عہد کے
علما حضرت نبی کریم کے مبارک حالات کا کس قدر ذخیرہ سینے میں محفوظ
رکھتے تھے اور یہی سرمایۂ سعادت تھا۔ ہندوستان آکر سیرت اور حدیث
کی کتابوں سے مقابلہ کیا تو یاد کی صحت ثابت ہوئی۔ ایک انگریز نے

تقویم البلدان کے ترجمہ کی فرمائش کی جو دو برس میں ختم ہوا۔ یہی ترجمہ رہائی کا سبب بنا۔ صرف کا رسالہ علم الصیغہ بھی وہیں لکھا۔ ۱۲۷۷ھ میں رہائی پاکر کاکوری آئے۔ وہاں شاگرد رشید مولوی لطف اللہ صاحب بھی حاضر ہوئے۔ تاریخ پیش کی ؎

چوں بفضل خالق ارض وسما | اوستادم شد ز قید غم رہا
بہر تاریخ خلاص آں جناب | بر نوشتم اِنَّ اُستَاذِی نَجَا
۱۲۷۷ھ

مستقل قیام کان پور میں فرمایا۔ مدرسۂ فیض عام کی بنیاد ڈالی، خود درس دیا۔ پچیس یا تیس روپے ماہوار تنخواہ لیتے تھے۔ مسلمان تجار کان پور مصارف مدرسہ کے کفیل تھے۔ ان میں حافظ برخوردار زیادہ نامور تھے۔ اسی مدرسہ کا فیض بالآخر ندوۃ العلما کی شکل میں عیاں ہوا۔

دو برس کے بعد حج کا ارادہ کیا۔ شاگرد جمع ہوئے۔ مولوی سید حسین شاہ صاحب واصف بخاری، مولوی لطف اللہ صاحب، نواب عبدالعزیز خاں صاحب، مولوی سید عزیز الدین صاحب شکارپوری۔ استاد کے سامنے درس بھی دیا۔ مفتی صاحب شاگردوں کی بہاریں دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہوتے تھے۔ بالآخر مولوی سید حسین شاہ صاحب کو مدرس اول اور مولوی لطف اللہ صاحب کو مدرس ثانی مقرر فرماکر حج کو روانہ ہوگئے۔ اس زمانہ میں جہاز ہوائی تھے۔ جدہ کے قریب پہنچ کر جہاز پہاڑ سے

ٹکرا کر ڈوب گیا۔ مفتی صاحب بحالتِ نماز احرام باندھے ہوئے غریق و شہید ہوئے۔ یہ واقعہ شوال ۱۲۷۹ھ کا ہے۔ ۵۲ برس کی عمر ہوئی۔

تصانیف | شرح ہدایۃ الحکمۃ صدرِ شیرازی، تصدیقات حمد اللہ اور شرح چغمنی پر حواشی۔ اردو میں بہت سے مفید عام رسالے جن کے نام عموماً بے تکلف تاریخی ہیں۔ عام مولویوں کی روش کے خلاف ان رسالوں کی زبان صاف اور بامحاورہ ہے۔ مضامین عملی اور اخلاقی ہیں۔ اس زمانہ کی مقبول عام روش مناظرہ سے بچ کر پیرایۂ بیان ایسا اختیار کیا ہے جو دل نشین ہے، دل پذیر ہے، ہنگامہ آرائی سے پاک ہے۔ خلاصہ یہ کہ مصری کی ڈلیاں بھڑوں کے چھتے میں نہیں رکھی ہیں۔ ایک مختصر سا فنڈ جمع کر لیا تھا اس کی مدد سے یہ رسالے طبع ہوتے، تقسیم کیے جاتے۔ مدرسۂ فیض عام کا قیام اور نشر علم کا یہ طریقہ مفتی صاحب کی دوراندیشی اور ضرورت کے صحیح اندازہ پر دال ہیں۔

ایک کتاب ہیئت جدید (غالباً غورسی) پر لکھی تھی، مسمیٰ بہ مواقع النجوم۔ اس کو ہیئت کے ماہر بعض انگریزوں نے پسند کیا۔ ایک کتاب عربی میں بے نقط لوامع العلوم و اسرار العلوم کے نام سے لکھی تھی۔ اس میں چالیس علوم کا خلاصہ لکھنا پیش نظر تھا۔ ہر علم کا نام بے نقط تھا۔ مثلاً تفسیر علم کلام اللہ، حدیث علم کلام الرسول، فقہ علم الاحکام، علیٰ ہذا القیاس۔ تمام نہ ہوئی تھی۔

عمر تمام ہوگئی۔ مسودہ ساتھ غرق ہوگیا۔ مفتی صاحب تمام علوم کا درس پوری قوت سے دیتے تھے۔ ریاضی میں ممتاز تھے، ادب کا ذوق تھا۔ کان پور کے قیام میں روزانہ شام کو میدان میں ہوا خوری کے لئے تشریف لے جاتے۔ مولوی سید حسین شاہ صاحب سے ادبی و علمی ذکر ہوتے جاتے۔ ایک روز کی صحبت یہ تھی کہ مفتی صاحب اردو اساتذہ کے چیدہ چیدہ اشعار پڑھتے سید صاحب اس کا ہم مضمون فارسی شعر پڑھ دیتے ؎

باز خوانم قصۂ استادِ خود

تا در و دیوار را آرم بوجد

ابتداءً مفتی صاحب نے شاگردِ جدید کو اپنے ایک شاگرد کے سپرد کیا، جس نے صرف نحو پڑھائی۔ ہدایۃ النحو شروع ہوئی تو خود پڑھانا شروع کیا۔ استاد کی شفقت اور شاگرد کی محنت نے یہ نتیجہ دکھایا کہ ڈیڑھ سال میں ملا حسن تک پہنچ گئے، ملا حسن کلیات خمسہ تک پڑھا کر فرمایا کہ اب سبقاً سبقاً اس کے پڑھنے کی ضرورت نہیں، خود مطالعہ سے پورا کرلو، جہاں ضرورت ہو دریافت کرلو۔ فرماتے تھے کچھ دن دیکھا دریافت کی ضرورت نہ ہوئی۔ پھر چھوڑ دیا۔ نورالانوار شروع ہوئی۔ دس پندرہ سبق پڑھا کر ارشاد ہوا اب مطالعہ کرکے ہم سبقوں کو پڑھا دیا کرو۔ چنانچہ مطالعہ اور بوقت ضرورت استفادہ کرکے ساری کتاب پڑھا دی۔ استاد نے خوش ہوکر

اس کی جگہ قاضی مبارک شروع کرائی، اوّل سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھائی
جس نسخہ میں پڑھا اس پر منہیات اپنے قلم سے لکھے۔ یہ نسخہ کتاب خانے میں
محفوظ تھا۔ قاضی مبارک کے بعد حمد اللہ کی نوبت آئی۔

صبح کی نماز کے بعد مفتی صاحب تلاوت فرماتے تھے حکم تھا کہ اس وقت
حاضر رہیں، دورانِ تلاوت میں مشکل صیغہ آتا تو اُن کی طرف دیکھتے، یہ حل کرتے،
حل نہ کر سکتے تو بعد تلاوت خود حل کر کے بتاتے۔

تبادلہ کے وقت تک کتابیں ختم نہ ہوئی تھیں۔ لہذا اُستاد کے ساتھ
بریلی گئے وہاں جملہ کتب درسیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ بعد فراغ
مفتی صاحب نے اپنے ہی اجلاس کا سررشتہ دار مقرر کر لیا۔ اس خدمت پر
فائز تھے کہ اُستاد انڈمان بھیج دیئے گئے۔ شاگرد با دلِ خستہ گھر چلے آئے۔
اس طرح چودہ ۱۴ برس مسلسل اُستاد کی خدمت سے فیض یاب رہے۔

بریلی کا قیام | بریلی میں قیام کس وقار علمی سے رہا تھا اس کو ذیل کے واقعہ سے
سمجھ لو گے۔ ۱۳۱۳ھ میں ندوۃ العلماء کا اجلاس بریلی میں ہونے والا تھا۔
مخالفین اور موافقین شکست و فتح کی سر توڑ کوششیں کر رہے تھے۔ مولوی صاحب
صدارت کے لئے حیدرآباد سے تشریف لانے والے تھے۔ اعلانوں میں
زبانی بیانوں میں جس قدر ندوہ کے متعلق اعتراض ہوتے اسی قدر
مولوی صاحب کی ذات ہدف اعتراض ہوتی۔ بالآخر صدر نشین فائز بریلی

ہوئے۔ پرانے شہر کے شرفا جب اعتراض سنتے سنتے تنگ آگئے تو اس تردد میں پڑے کہ آخر یہ مولوی لطف اللہ ہیں کون ؟ ایک وہ تھے جو یہاں تھے اگر وہی ہیں تو حیرت ہے کہ ان کے عقائد و حالات ایسے بدل گئے۔ بالآخر ملنے اور زبانی گفتگو کا فیصلہ کیا۔ وہ سماں میری آنکھوں میں آج بھی ایسا ہے گویا کل کی بات ہے کہ مغرب و عشا کے مابین پرانے شہر کے معمر شرفا کی ایک جماعت قیام گاہ میں آئی، ایک دوسرے کو دیکھکر دیرینہ اخلاص و محبت کے اثر سے گرم جوشانہ ملے۔ رسمی گفتگو کے بعد اصل مدعا پر گفتگو ہوئی۔ زبان حق بیان سے ندوۃ العلماء کے مقاصد و احوال سن کر جو اثر سامعین پر ہوا دیدنی تھا نہ شنیدنی۔ متحیر آئے تھے مطمئن اٹھے جاتے ہوئے جو الفاظ زبان پر تھے خدا کرے ان کا اعادہ کبھی نہ ہو۔

کول (علی گڑھ) کا قیام | حاصل کلام، بریلی سے کول آنے کے بعد عسرت اور بے کاری کا زمانہ تھا۔ آخر کا تھوں سے مل کر ایک مکتب جاری کر لیا۔ ان کے لڑکوں کو چھوٹے چھوٹے رسالے پڑھایا کرتے تھے۔ دس روپیہ ماہوار تنخواہ تھی، صاحب عیال تھے، دو بچے ہو چکے تھے۔ سارا کنبہ اسی قلیل تنخواہ میں بسر کرتا۔ کبھی کبھی فاقے کی نوبت پہنچ جاتی۔ بعض خاندانی واقعات کی وجہ سے جائداد کی آمدنی سے مستفید ہونے کا موقع نہ تھا۔ دو سال کا زمانہ اسی حوصلہ مندی سے بسر کر دیا۔ اس عرصہ میں والد

سخت علیل ہو گئے، تیمار داری اس غم خواری سے کی کہ دوا لینے پیادہ پا پلکھنہ سے کول جاتے اور ہر روزہ واپس آتے۔ ان دونوں مقاموں کے درمیان فاصلہ چودہ میل کا ہے۔

فیض عام کانپور میں درس | بالآخر جیسا کہ تم اوپر سن چکے مفتی عنایت احمد صاحب انڈمان سے واپس آکر حج کو گئے اور مولوی صاحب کا تقرر مدرسہ فیض عام کی دوم مدرسی پر ہو گیا۔ زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ مولوی سید حسین شاہ صاحب نواب شاہجہاں بیگم کی طلب پر بھوپال چلے گئے، مولوی صاحب مدرس اول ہو گئے۔

ایک لطیفہ مولوی سید حسین شاہ صاحب کے قیام بھوپال کا بے موقع نہ ہوگا۔ سید صاحب کی مراسلت بعض مسائل میں مولوی سید صدیق حسن خاں صاحب سے ہوئی (اس وقت تک نواب نہ ہوئے تھے)۔ اس میں سید صاحب نے ایک شعر لکھا ؎

برخیز بت شکن کہ بتے چند بشکنیم
در سومنات شور و شرِ دیگر افگنیم

بعض حریفوں نے نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کو یہ کہکر بدظن کرنا چاہا کہ سید صاحب نے دار الاسلام بھوپال کو سومنات کہا۔ سید صاحب نے سنا تو جواب دیا اور لاجواب دیا:

"سومنات ہماں ست کہ دراں سلطان محمود غزنوی شور و شر افگندہ بود
.. .. بھوپال کہ سلطنتِ سومنات ست دراں چہ جائے
سومنات ست"

خلاصۂ کلام، مولوی صاحب نے سات برس تک مدرسۂ فیضِ عام میں درس دیا، کس قوت سے یہ بھی سن لو۔ میرے اُستاد مولوی عبدالغنی خاں صاحب مدرسۂ موصوف کے اولین شاگردوں میں تھے۔ مجھ سے بیان فرمایا کہ مدرسہ کے قریب ایک مسجد تھی، اُستاد اور شاگرد صبح کو ایسے وقت وہاں پہنچ جاتے کہ جماعت فجر سے پہلے تفسیر بیضاوی کا سبق ہو جاتا تھا، اس سے فارغ ہوکر باجماعت نماز پڑھتے، نماز سے فارغ ہوتے ہی درس شروع ہو جاتا، دوپہر تک رہتا، اس کے بعد وقفہ اس قدر کہ کھانے اور کچھ آرام کے بعد ظہر باجماعت ادا ہوتی، نماز کے بعد درس، عصر کے بعد پھر درس، مغرب کے وقت ختم، کبھی ایک آدھ سبق بعد مغرب بھی ہو جاتا۔ درس میں اتنا انہماک تھا کہ وطن کا آنا جانا شدید ضرورت ہی سے ہوتا وہ بھی جریدہ تاکہ زیادہ قیام نہ کرنا پڑے۔

جامع مسجد علی گڑھ میں درس

کان پور میں سات برس رہنے کے بعد مرکزِ اصلی کی جانب رجوع فرمایا۔ علی گڑھ کے مدرسۂ جامع مسجد میں اوّل مدرسی پر تقرر ہوا۔ پچاس روپیہ تنخواہ ٹھہری۔ صورت یہ

ہوئی کہ مولوی صاحب کے شاگرد خواجہ محمد یوسف مرحوم وکیل نے مدرسۂ مذکور کو از سرِ نو جاری کیا۔ استاد کو کان پور سے بلا کر مدرس اول مقرر کیا، خواجہ صاحب تعلیم قدیم و جدید دونوں کے دل دادہ تھے۔ ٹرسٹی زبل کے خرخشہ میں آنے تک سر سید مرحوم کے ساتھ اور محمڈن کالج کے سرگرم معاونین میں تھے۔ مدرسہ کے مصارف کا بڑا جز چھتاری اور بھیکن پور کی ریاستوں سے ادا ہوتا تھا۔ کیسی نیک کمائیاں تھیں جو ہنا سے بخارا تک فیض پہنچانے کا ذریعہ بنیں۔ مدرسہ کی رونق اور طلبا کا ہجوم قابل دید تھا۔ مولوی صاحب دوپہر کا کھانا مسجد ہی میں تناول فرماتے۔ صبح سے آکر عشا کے وقت دولت خانے جاتے۔

آج پریڈ (PERIOD) گننے والے ان باتوں کو کیا سمجھیں گے۔ نہ سمجھیں تو واقعہ تو واقعہ ہی رہے گا۔ ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے بڑے بڑے علما اسی زمانے میں فیض یاب ہوئے۔ پہلی فارغ ہونے والی جماعت میں (جو کان پور سے ساتھ آئی تھی) مولوی سید محمد علی صاحب، مولوی عبد الغنی خاں صاحب، مولوی احمد حسن صاحب، مولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی، مولوی عبد الحق صاحب دہلوی صاحب تفسیر حقانی اور مولوی سید محمد اسحق صاحب بٹیالوی شامل تھے۔ دیکھو! ان میں سے ہر ایک کس شان علمی میں جلوہ فرما ہوا۔ ثانی الذکر بعد فراغ استاد کی جگہ کان پور میں

مدرسۂ فیض عام کے مدرس اوّل مقرر ہوئے۔ ایک خط میرے پاس محفوظ ہے جس میں مولوی عبدالحی صاحب مرحوم فرنگی محلی نے آخرالذکر موصوف کی قوّتِ تدریس کی مدح وثنا لکھی ہے۔

ذرا یہ بھی سن لو کہ یہ علما کس طرح پیدا ہوئے۔ میرے اُستاد نے مجھ سے بیان فرمایا کہ ایک بار میرزاد بیر مرحوم لکھنؤ سے کانپور آئے ان کی آمد نے کانپور میں ایک غلغلہ ڈال دیا۔ مولوی صاحب نے شاگردوں کو اجازت دی بلکہ شوق دلایا کہ مرزا صاحب کو دیکھیں ان کا پڑھنا سنیں، پھر یہ موقع کہاں ملے گا، فرماتے تھے مجھکو سبقوں سے نے مہلت ہی نہ دی کہ جاتا، نہ دیکھنے کا اب تک افسوس ہے۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ علی گڑھ میں طلبہ کے رہنے کی جگہ جامع مسجد کے حجرے تھے دو محبوب حجرے اور بھی تھے۔ جامع مسجد کے عالی شان میناروں میں زینہ کی گھوم سے درمیان میں جو وسعت پیدا ہوگئی ہے وہ بھی حجرے کا کام دیتی۔ شائق طلبہ ان کی فکر میں رہتے، خالی ہونے سے پہلے درخواستیں گزر جاتیں۔ فرماتے تھے کہ ایک بار اُن میں سے ایک حجرہ مجھکو بھی مل گیا تھا، نیچے کا دروازہ بند کرکے مطالعہ کو بیٹھ جاتا تو دنیا و ما فیہا کی خبر نہ رہتی۔ مطالعہ کا جو لطف وہاں آیا کہیں نہ ملا ۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ درس سے فارغ ہوکر پہلی فکر یہی ہوتی کہ اُستاد کی تقریر

دل میں ایسی نقش ہو کہ کبھی نہ بھولے، راستہ اس کی ذہنی تکرار میں صرف ہوتا، مکان پر پہنچ کر فوراً قلمبند کی جاتی، اس عرصے میں دوسرے ہم سبق آجاتے اُن سے تکرار کی جاتی، ہر ایک اپنی اپنی یاد سے افادہ کرتا، اتنی کاوش کے بعد جب تقریر ذہن نشین ہو لیتی تو جین سے بیٹھتے ضروریات کی جانب توجہ کرتے۔

یہ بافیض درس ۱۲۸۵ھ سے لغایت ۱۳۱۲ھ ستائیس برس مسلسل حیدرآباد کے تعلق تک جاری رہا۔ اُستاد وں نے پڑھا، باپوں نے پڑھا، شاگردوں کے شاگرد اور بیٹے بھی فیض یاب ہوئے۔ عجیب اتفاق ہے سب سے پہلے دور میں میرے کرم اُستاد مولوی عبدالغنی خاں صاحب نے پڑھا تھا۔ سب سے آخر کے باقاعدہ دور میں ننگ تلامذہ راقم شریک تھا۔ اس درس میں میرے ہم سبق مولوی امانت اللہ صاحب مرحوم، مولوی سید عبداللطیف صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ مولوی محمد ہاشم مرحوم سنبھلی، مولوی صدیق حسین حال مدرس مدرسہ جامع مسجد، مولوی اظہر حسین مرحوم بہاری تھے۔ سوائے عاجز کے سب کے سب عالم اور علم کے خادم بنے۔

جامع مسجد کے دور درس میں یہ چشمہ اس سہ دری سے جوش زن تھا جو جنوبی منارے کے متصل ہے۔ مولوی عبدالقدوس صاحب پنجابی

مسجد کے اندر درس دیتے، حافظ رحیم بخش مرحوم قرآن شریف حفظ کراتے۔ ایک دوسرے مولوی عبداللہ درس فارسی پڑھاتے تھے۔ طلبہ کی کثرت تھی۔ جامع مسجد میں نماز کی جماعتیں بڑی شان سے ہوتی تھیں، شہر کی دوسری مسجدیں بھی طلبہ سے آباد تھیں۔

یہ یادگار زمانہ درس اس شان سے جاری تھا کہ اس کو عدیمہ پہنچا۔ اس عہد میں تقلید و عدم تقلید کے جو ہنگامے ملک میں برپا تھے ایک بے چارہ کول بھی ان کی زد میں آگیا۔ معرکے گرم ہوئے، مخالفت کے طوفان اُٹھے۔ مولوی صاحب نے جامع مسجد میں درس موقوف فرما دیا۔ مکان کے قریب ایک چھوٹا کمرہ کرایہ پر لے کر اس میں پڑھاتے تھے، میں وہیں حاضر ہوا۔ ایک شکستہ بوریئے پر نشست ہوتی، دل میں اب تک اس عزت کی یاد ہے۔ کاش پھر نصیب ہوتی۔ طوفان بے تمیزی کا انجام یہ ہوا کہ مولوی صاحب کو زہر دیا گیا۔

زہر خورانی | ۲۳ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۸۹۴ء کو ایک خط مولوی صاحب کی خدمت میں آیا۔ لکھا تھا کہ میں آپکا شاگرد ہوں تلاش معاش میں سرگرداں تھا، ماں نے منت مانی تھی کہ نوکری لگنے پر پہلی تنخواہ سے مولود شریف کی مجلس کریں گی، چنانچہ ملازمت مل جانے پر مجلس کی گئی۔ شیرینی آپ کی خدمت میں بھی بھیجتا ہوں۔ دوسرے روز

ایک شاگرد اسٹیشن جاکر پارسل لے آئے، اندر بھیج دیا، کھولا تو نکتی کے بڑے بڑے لڈو نکلے۔ ان میں سپید سپید مصری کے دانے بکثرت چمک رہے تھے۔ تبرک کے خیال سے پارسل کے کھلتے ہی آدھا لڈو مولوی صاحب نے کھالیا، اتفاقاً کوئی اور عزیز اس وقت پاس نہ تھا ورنہ حسب عادت اوّل اس کو کھلاتے۔

تھوڑی دیر میں قلب پر گھبراہٹ محسوس ہوئی، استفراغ ہوا۔ بی بی صاحبہ کو بلا کر ماجرا کہا۔ اُنھوں نے فوراً منجھلے صاحبزادہ مولوی عنایت اللہ صاحب کو طلب کیا، جو درس چھوڑ کر فوراً حاضر ہوئے۔ یہ طبیب بھی تھے۔ دیکھا کہ استفراغ جاری تھا، گھبرا کر سبب پوچھا تو پارسل کے آنے اور لڈو کھانے کا واقعہ معلوم ہوا۔ لڈو دیکھے تو معلوم ہوا کہ مصری نہ تھی، سنکھیا سے بھرے ہوئے تھے، بہرحال یونانی اور ڈاکٹری ممکنہ تدابیر کی گئیں، طبیب اور ڈاکٹر برابر حاضر رہے۔ شہر میں ایک تلاطم تھا، شب کو حالت زیادہ نازک ہو گئی جس سے معالج بھی گھبرا گئے۔

قصہ مختصر فضل الٰہی شامل حال تھا کہ اس سخت جھٹکے سے نجات ملی۔ ۲ ستمبر کو غسل صحت ہوا۔ اہل شہر نے اظہار مسرت و شکر اس طرح کیا کہ چندہ کر کے جامع مسجد میں شب کو مجلس میلاد مبارک منعقد کی، روشنی

کی گئی، صبح کو شیرینی تقسیم ہوئی۔

پولس نے مجرم کی تلاش کی پتا نہ چلا۔ مولوی صاحب نے کسی پر شبہہ ظاہر نہیں فرمایا۔

اس پر ہمیشہ شکر فرماتے تھے کہ پارسل کھلنے کے وقت کوئی عزیز پاس نہ تھا، ورنہ وہ بھی شیرینی سے مسموم ہو جاتا۔ مہربانِ نامہرباں نے تو اپنے زعم باطل میں سارے گھر کے خاتمے کا سامان کر دیا تھا مگر ع

دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی ترست

اس حادثے نے علمی مصیبت کی شکل یہ اختیار کی کہ مولوی صاحب کا دل علی گڑھ سے بیزار ہو گیا، درس کی جانب رغبت نہ رہی، طلبہ کی خاطر سے بادل ناخواستہ پڑھاتے تھے، اس پر بھی ناغہ بہت ہوتا۔

دستِ قدرت نے جلد علی گڑھ کے ساکنین کو یہ دکھا دیا کہ اب وہ اس قابل نہ رہے تھے کہ علم و فضل کا ایسا سرمایہ دار اُن میں رہتا۔

تعلق حیدرآباد | غفران منزل آصف جاہ سادس کی فرمانروائی اور سر وقار الامرا مرحوم کی مدار المہامی کا دور تھا۔ مدار المہام کو مسلمانوں کی مذہبی تباہ حالی کا احساس ہوا۔ یہ ارادہ کیا کہ کوئی بلند پایہ عالم [illegible] طلب کر کے خدمت اصلاح سپرد کریں۔ اتفاق وقت مولوی صاحب کے ایک بنگالی طالب علم اس زمانے میں دربار میں درخور تھے۔ قدرۃً

انھوں نے اپنے اُستاد کے تقرر کی تجویز پیش کی مدار المہام نے منظوری کی۔ چنانچہ دسمبر ۱۸۹۴ء میں (یعنی زہر خورانی کے تین مہینے بعد ہی) حیدرآباد سے مراسلہ آیا کہ یہ تقرر منظور ہو تو سفرخرچ بھیجا جائے، یہاں سے منظوری گئی، وہاں سے زادراہ آگیا۔

مشاہرہ سات سو روپیہ ماہوار، خدمت صدارت المدرسین۔

۲۹ رفروری ۱۸۹۵ء کو بعد نماز جمعہ اہل شہر سے رخصت ہو کر حیدرآباد روانہ ہوئے۔ منجھلے فرزند مولوی عنایت اللہ صاحب کو اپنی جگہ جامع مسجد میں صدر مدرس مقرر کیا۔

تین نامور شاگرد مولوی سید محمد علی صاحب، مولوی عبدالغنی خاں صاحب اور مولوی عبدالجمیل صاحب افغانی اور چھوٹے صاحبزادہ میاں عبدالحمید ہمراہ تھے۔ حیدرآباد پہنچنے پر شایستہ استقبال ہوا، مہمان خانۂ ریاست میں قیام۔

قضائے الٰہی اسی عرصے میں مفتی عدالت مفتی محمد سعید صاحب مرحوم نے (جو مدراس کے علمی خاندان کے سرمایۂ سعادت تھے) انتقال فرمایا۔ قدرت نے مولوی صاحب کو بجائے خدمت صدر المدرسین کے اس عہدے کے لئے نامزد کیا تھا۔ چنانچہ ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ پر ۱۲ رمارچ ۱۸۹۵ء کو عہدۂ مذکور پہ تقرر ہو گیا۔

ممالک محروسۂ سرکار عالی میں اب تک مطابق شرع قصاص کا طریقہ جاری ہے۔ پھانسی نہیں ہے، قصاص کے لئے حضور نظام کی منظوری بحیثیت فرماں روائے اسلام ضروری ہے۔ حضور اُس وقت منظور فرماتے ہیں کہ مفتی شرع فتویٰ دیں۔ اس خدمت کے لئے عہدۂ افتاء مجلس عدالت العالیہ (ہائی کورٹ) میں قائم ہے۔ ضرورت کے وقت مفتی اجلاس میں بیٹھکر ججوں کے ساتھ بھی کام کرتے ہیں۔

نواب وقار الامراء بڑے سیر چشم عالی حوصلہ امیر تھے، عمارت کا ایسا سلیقہ تھا کہ انجنیروں کو بھی کم حاصل ہوا ہوگا۔ قصر فلک نما ان کے ذوقِ تعمیر کی نادر شہادت ہے۔

مفتی صاحب کی (اب ہم مولوی صاحب کو مفتی صاحب کے لقب سے یاد کرتے ہیں) تعظیم و بزرگ داشت ہمیشہ ملحوظ رکھتے، اطلاع ہونے پر فوراً یاد فرماتے، تعظیم کو کھڑے ہو جاتے، بعض اوقات کرسی اپنے ہاتھ سے بچھاتے۔

چند سال یہ خدمت انجام دی تھی کہ قویٰ کے ضعیف ہونے پر اثر سمیت نے پھر قوت دکھائی۔ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں دفعۃً دردِ سر شدید لاحق ہوا۔ صاحبزادہ مولوی امانت اللہ صاحب نے اپنے منجھلے بھائی مولوی عنایت اللہ صاحب کو بلایا (جو طبیب بھی تھے)

انھوں نے سببِ مرض بس سمیت تجویز کر کے معالجہ کیا، چنانچہ روغن کاہو اور روغن بادام سرکہ میں ممزوج کر کے بدفعات ڈھائی سیر سر پر ملا گیا تب افاقہ ہوا۔ خارجی تدبیر اس وقت تو مؤثر ہو گئی، مگر پھر دوسرا فساد نمایاں ہوا، تمام جسم پر آبلے نمودار ہو کر پھوٹے اور سارا جسم زخم بن گیا۔

ع دل ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

بالآخر رخصت علالت لے کر دلی تشریف لائے، معالجہ کارگر نہ ہوا مزید رخصت حاصل کی گئی۔ افاقہ ہوا تو دکن کو مراجعت کی، رحمتِ امراض باقی تھی، دردِ سر شدید مزید براں۔ بے تکلف علی حزیں کا شعر صادق تھا

چہ شد یا رب کہ امشب دردِ سر تسکیں نمی یابد
ز بے تابی سرم می گردد و بالیں نمی یابد

مولوی عنایت اللہ صاحب بھوپال سے پھر طلب ہوئے، ان کی تدبیر سے دردِ سر رفع ہو گیا، باقی امراض کا علاج لوکا باپو ایک مدراسی وید نے بڑے معرکے سے کیا، دو مہینے سے زیادہ معالجہ جاری رہا، پوری صحت ہو گئی۔ اب تیسرا مرض ضعفِ پیری نمودار ہوا، آنکھوں کی بینائی سرعت سے کم ہونے لگی۔ اس عالم میں ایک خط مولوی عنایت اللہ صاحب کو لکھا ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں:

"ان آنکھوں سے اگر بیت اللہ اور روضۂ اقدس کو نہ دیکھا تو

وائے برمن و وائے بر ناکامی من، خیر رضینا بما قضا اللہ علینا۔"

مراجعتِ وطن | چھ سات مہینے میں روشنی بالکل جاتی رہی، روشنی کے ساتھ تعلق ریاست بھی گیا۔ علی گڑھ تشریف لائے، ڈاکٹروں نے پانی پختہ ہونے کے لئے دو ڈھائی سال کی مدت معین کی، چنانچہ یہ زمانہ صبر و رضا سے بسر فرمایا۔

۱۳ مارچ ۱۹۰۶ء کو لکھنؤ کے مشہور معالج چشم ڈاکٹر اینڈرسن نے بڑی توجہ اور بزرگ داشت سے کامیاب قدح کیا۔ ڈاکٹر کی رائے تھی کہ ایک آنکھ کا آپریشن ہو دوسری دوسرے وقت کے لئے محفوظ رہے۔ ادھر سے اصرار ہوا کہ دونوں آنکھ کا آپریشن کر دیا جائے۔ حسرت اس پر ہے کہ آپریشن کے بعد ضروری احتیاط نہ کی گئی۔ حرکت کرنا، آواز سے بات کرنا، پانی سے چہرہ کو دھونا وغیرہ ذالک امور ممنوع تھے۔ باوجود معالج کی تاکید و توجہ کے کسی کی پابندی نہ ہوسکی۔ نتیجہ یہ کہ دونوں آنکھیں خراب ہوگئیں، ایک کا ڈھیلا بہہ گیا، دوسری خراب ہو کر رہ گئی۔

آنکھوں کے جانے کا جو صدمہ ہوا ہوگا ظاہر ہے، معذوری نے چلنا پھرنا چھڑا دیا، اس کا اثر عام صحت پر خراب پڑا، مالی دقتیں بھی پریشان کرتی رہیں۔ مجھکو اس زمانے میں حاضری کا مسلسل موقع حاصل

ہوتا رہا۔ باوجود معذوری و پریشانی کے رکھ رکھاؤ کا اہتمام پورا تھا، ہمیشہ صابر و راضی برضا دیکھا، لباس وغیرہ صاف مرتب۔

سننے کے لائق یہ بات ہے کہ مرض، عدم بصارت، مالی دقت ان میں سے ہر مصیبت سوہانِ روح تھی۔ ہمت و استقلال دیکھو درس اس حالت میں بھی جاری تھا۔ مولوی بدرالدین اور مولوی کرم الٰہی اسی زمانے کے تلامذہ میں ہیں۔ زیادہ توجہ درس حدیث و تفسیر پر تھی غایت شوق فرماتے تھے "میاں بدرالدین جب پڑھنے آجاتے ہیں تو میں اپنی تکلیفیں بھول جاتا ہوں اور جب تک ان کو پڑھاتا رہتا ہوں ہائے ہائے سے نجات مل جاتی ہے۔"

اسی زمانے کا ایک واقعہ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب نے بیان فرمایا۔ اپنے علی گڑھ آنے کے تیسرے ہی دن سلام کو حاضر ہوئے ایک روز پہلے جامع مسجد میں بیان ہو چکا تھا، حاضری پر مخصوص خاندانی طریقے سے قدم لئے۔ مولوی صاحب اس وقت آرام کرسی پر آرام فرما تھے، بغیر تعارف صاف الفاظ میں فرمایا "مولوی سلیمان اشرف" اور پھر یہ شعر پڑھا ؎

گر تو تعظیم خواہی از من زار
بہرِ تعظیمِ خود مرا بردار

دوسرا واقعہ صاحبزادہ مولوی امانت اللہ صاحب کی زبانی۔
شرح چغمینی کے پڑھانے میں ایک دائرہ کے متعلق اشکال پیش آیا۔
حاضر خدمت ہوکر مشکل پیش کی۔ فرمایا امانت اللہ! اب دماغ کہاں
رہا۔ خیر ایک لوٹا مٹی کا لے لو۔ لوٹا لایا گیا۔ ایک ہاتھ پر الٹا کرکے
کرہ بنالیا۔ دوسرے ہاتھ کی انگلی کو کروی حرکت دی۔ صاحبزادہ کا
بیان ہے کہ انگلی کا حرکت کرنا اور مسئلے کا سمجھ میں آجانا گویا ایک ہی
بات تھی۔

تیسرے واقعے کا مولوی معین الدین صاحب اجمیری نے ذکر کیا۔
میر زاہد کی ایک تقریر باوجود فکر و غور کے سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ حاضری
کے وقت اشکال پیش کیا۔ سنتے ہی فرمایا کہ اس مسئلے کے متعلق
اوپر کے مقدمات کی تقریر میں فلاں غلطی ہوئی ہے۔ اس کی تقریر
اس طرح کرو حل ہو جائے گا۔ چنانچہ تقریر زاہدی کا مضمون صاف ہوگیا۔

وفات | ۱۳۳۴ھ میں عرفے کے دن مطابق ۸ر اکتوبر ۱۹۱۶ء تین اور
چار بجے سہ پہر کے درمیان بمقام کول (علی گڑھ) انتقال فرمایا۔ یہ وہ
دن تھا کہ میدانِ عرفات اہل ایمان کی لبیک سے گونج رہا تھا۔
نوے برس کی عمر ہوئی۔ حضرت شاہ جمال العارفینؒ کے جوار میں
آسودہ ہیں۔ چند قدم کے فاصلہ پر شاگرد رشید مولوی عبدالغنی خاں صاحب

مدفون ہوئے تاریخ وفات از حسرت شروانی "استاذ العلما"
۱۳۳۴ھ

حلیہ | بلند بالا۔ بدن دوہرا، رنگ سرخ سپید، سینہ چوڑا، پیشانی وسیع، آنکھیں بڑی روشن، ناک دراز بھاری، ہونٹ باریک، دہانہ چھوٹا، گردن لانبی، ڈاڑھی سپید نورانی، ہنس مکھ چہرہ۔ زہر کے اثر سے پہلے قویٰ اعلیٰ درجہ کے تھے، صحت بہت اچھی تھی۔ سردی گرمی اور محنت کے اثر سے بالاتر۔

لباس | انگرکھا، کرتا، عرض کا پاجامہ، سر پر اکثر دوپلی ٹوپی، خاص اوقات میں منشیانہ طرز کا عمامہ سر پر، اس پر سے سپید چادر۔ مردانہ میں ہمیشہ پورے لباس میں نمودار ہوتے۔ صرف کرتے میں کبھی برآمد نہ ہوتے، کرتا جسم سے گرمی میں یا تخلیہ میں بھی جدا نہ ہوتا۔ لباس کی درستی اور صفائی کا پورا اہتمام رہتا۔ میں نے مرض اور نابینائی کی حالت میں بھی لباس میلا یا فرسودہ نہیں دیکھا۔

عادات | نشست برخاست اور گفتگو میں تہذیب و وقار کی پوری شان تھی، نگاہ نیچی رہتی، کم سخن تھے۔ خاموشی میں بھی ایک عالم شگفتگی محسوس ہوتا، روش سادہ تھی، جفاکشی اور محنت داخلِ عادات تھی، چھتری کبھی نہ لگاتے شدّتِ گرما میں سر پر چادر رکھ کر دھوپ میں چلے جاتے۔ اس سلسلے میں ایک جاں پرور واقعہ سن لو۔

گرمی کے سخت موسم میں ایک بار مدرسۂ عالیہ کا امتحان لینے رام پور تشریف لے گئے۔ امتحان سے فارغ ہوتے ہوتے دوپہر کے بارہ بج گئے۔ حسب عادت سر پہ چادر رکھکر پیادہ پا اُستاذالعلما مولوی محمد ہدایت اللہ خاں صاحب صدر مدرس مدرسۂ جون پور کے مکان پر جا پہنچے۔ مولوی صاحب قیلولے کے لئے زنانہ مکان میں جا چکے تھے، اطلاع پر باہر تشریف لائے۔ اوّل ایک پلنگ پر صاف ستھرا بستر بچھوایا، اس کے بعد مہمان محترم کی پذیرائی فرمائی۔

شان پذیرائی غور سے سنو۔ اب یہ واقعے کہاں، دیکھنا درکنار سنو گے بھی نہیں۔ اپنے بھتیجے حافظ اسعد اللہ خاں کو بھیج کر کنوئیں سے تازہ پانی منگوایا، مہمان گرامی کے پاؤں پر عزت سے پانی ڈالوایا۔ اپنے ہاتھ سے دھوئے سقاہ اللہ تعالیٰ کاسًا دھاقًا۔

ابھی کریم النفسی کی داستان باقی ہے۔ رام پوری فاضل اجل نے راوی سے یہ واقعہ بیان فرمایا تو یوں کہا کہ مولوی لطف اللہ صاحب نے بڑا کرم فرمایا کہ ایسی دھوپ میں تکلیف فرمائی اور وہ بھی پیادہ پا۔ اپنی خدمت کا تذکرہ درکنار اشارہ بھی نہ کیا۔ ایک موقع پر جب راوی موصوف نے مفتی صاحب سے مولوی صاحب کی شکر گزاری کا ذکر کیا تو فرمایا کہ میں نے کیا کرم کیا مجھکو تو دوپہر کہیں بسر کرنی تھی وہیں چلا گیا، کرم تو

مولوی صاحب نے فرمایا۔ یہ کہکر پانی منگوانے اور پاؤں دھلانے کا
واقعہ بیان فرمایا۔ دیکھو یہ تھے وہ پاک مشرب صاف سینے جن سے
علمی فیض کے چشمے نہیں دریا بہے، رحمہما اللہ تعالیٰ۔

آدم پریہر مطلب، مزاج شگفتہ تھا، بامذاق تھا، تکلف سے بری تھے
خاص صحبتوں میں مزاح بھی فرماتے، شعر کا ذوق پورا تھا، خاص صحبتوں
میں اشعار کا ذکر چھڑ جاتا تو گھڑیوں جاری رہتا، اشعار لطیف پڑھتے
لطف و خوبی ظاہر فرماتے، ایک ہی قافیہ یا مضمون پر متقدمین و اساتذہ کا
کلام سناتے۔ عربی، فارسی، اردو ادب سے یکساں ذوق تھا۔ مجھکو
یاد ہے کہ ایک صحبت میں ہوشم اور دوشم کے قافیہ پر بہت سے مطلعے
استادوں کے پڑھے تھے۔ تین مطلعے اب تک یاد ہیں:

صائب

نمی دانم کرا دیدم کہ از خود می رود ہوشم
جنوں آہستہ می گوید مبارک باد در گوشم

لا ادری ؎

بیک پیمانہ ساقی کرد مدہوش آنچناں دوشم
کہ از محفل حریفاں چوں سبو بردند بر دوشم

مولوی فیض الحسن سہارنپوری ؎

صلا زدم کہ من آزادہ نمد پوشم   غلام حیدرم و جام حیدری نوشم

"جامِ حیدری" کی تعریف فرمائی۔
گفتگو ہر شخص سے علیٰ قدرِ مراتب شفقت و محبت سے فرماتے جس کا اثر سامع محسوس کر کے محظوظ ہوتا۔ تعلّی یا ادّعا کا شائبہ کبھی کلام میں نہ پایا جاتا، تقدس مآبی اور جلوہ نمائی پاس نہ تھی۔ تلاوت کلام مجید کبھی تخلیے میں فرماتے، سخت کلامی اور فحش الفاظ غصّے میں کبھی زبان سے نہ نکلتے۔ ملازموں کے لئے انتہائی غصّے کے الفاظ یہ تھے "تم بچپا کے باوا ہو" یا "لائق ہو" (گویا نالائق کا نعم البدل ہے)۔
سیر چشم اور فیاض تھے، اسی لئے اکثر قرض کا بار رہتا۔ حیدرآباد کے تعلق کے زمانے میں ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ بدقّت کفایت کرتی۔ شادیوں میں وعوتیں بڑے حوصلے سے ہوتیں، جن کو رؤسا بھی مان جاتے۔ شادی کی تقریبوں میں تلامذہ کا اجتماع قابل دید ہوتا، جن میں بڑے بڑے علما ہوتے، سب کے سب مہمانوں کی خدمت بے تکلف کرتے۔ مولوی ہی پلنگ بچھاتے، دوسرا سامان آسائش مہیّا کرتے۔ ایک تقریب میں میری قیام گاہ میں مولوی ظہور الاسلام صاحب فتح پوری مرحوم سامان لائے تو میں نے معذرت کی اور کہا کہ آپ تکلیف نہ کریں، ہنس کر فرمایا یہاں مولویوں کے سوا ہے کون جو تمھارا کام کرے گا۔

ایک تقریب میں شام کے وقت میں نے دیکھا کہ متعدد چارپائیوں پر تلامذہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں مولوی سید محمد علی صاحب، مولوی عبدالغنی خاں صاحب، مولوی احمد حسن صاحب، مولوی عبدالجمیل صاحب افغانی (صدر مدرس ویلور مدراس) مولوی سید ظہور الاسلام صاحب وغیرہم تھے۔ آج ان کی نظیر سارے ہندوستان میں مشکل سے ملے گی۔ ایک کایستھ شاگرد بھی تھے جن سے برادرانہ برتاؤ ہو رہا تھا۔

ضروری واقعات سے باخبر رہنا اور حسب موقع ان میں حصّہ لینا داخلِ اخلاق تھا۔ جو خلاصے جنتریوں کے میرے سامنے ہیں وہ اس کے شاہد ہیں۔ ایک اندراج میرا سرمایۂ نازش ہے: "۳، مارچ ۱۸۹۱ء حبیب الرحمٰن خاں نے پڑھنا شروع کیا۔"

علمائے معاصرین کے علم و فضل کا اعتراف شامل وضع تھا۔ سب کے ساتھ محبت تھی۔ ان کی وفات سے سخت متاثر و متاسف ہوتے۔ اندراجوں میں مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی، مولوی فیض الحسن صاحب سہارن پوری، مولوی ارشاد حسین صاحب رام پوری وغیرہم کی وفات کا صدمہ صاف عیاں ہے رحمہم اللہ تعالیٰ۔

مولوی اسمٰعیل صاحب اسرائیلی سے حالانکہ بے لطفی رہتی تھی، مگر دلّی سے جب ان کی وفات کی خبر آئی تو بے اختیار آنکھوں سے

آنسو جاری تھے اور فرماتے تھے "مولوی اسمٰعیل اپنی ذات سے بہت اچھے آدمی تھے"۔

بازار کے چٹ پٹے کباب بہت مرغوب تھے۔ فرمایش ہوتی کہ دلّی کی جامع مسجد کی سیڑھیوں کے کباب گرما گرم آئیں۔ عزیز شاگرد اہتمام کرکے لاتے اور دعائیں لیتے۔ حالتِ علالت میں یہ شوق معالج اور تیمارداروں کے لئے مصیبت ہو جاتا۔ باورچی خانہ میں عمدہ سیخ کے کباب تیار کرائے جاتے پسند نہ ہوتے۔

درس

مفتی صاحب کا مخصوص کمال درس تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عمر دراز بخشی، صحت و قوّت وافر عطا فرمائی، علم کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ یہ سارا سرمایہ تدریس و تعلیم میں صرف فرما دیا۔ معتبر شہادت اس کی موجود ہے کہ شباب تدریس کے وقت میں بیس بیس سبق روزانہ پڑھائے۔ مولوی فضل حق صاحب مرحوم خیرآبادی کا ایک خط میرے پاس ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں کہ آج کل درس قوّت سے جاری ہے۔ سولہ سبق روزانہ پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ قیام الور کا واقعہ تھا۔ علی گڑھ میں درس کا سلسلہ ۱۲۸۵ھ سے ۱۳۱۲ھ تک ستائیس سال جاری رہا۔ اس سے پہلے سات برس فیضِ عام کان پور میں درس دیا جا چکا تھا۔ اس طرح چونتیس ۳۴ برس پوری قوّت کے ساتھ مجلسِ تدریس

گرم رہی۔ برسوں یہ معمول رہا کہ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر جامع مسجد
میں تدریس شروع فرما دیتے۔ دوپہر کا کھانا وہیں آجاتا، عشا پڑھکر
مسجد سے مکان تشریف لے جاتے۔

طلبہ کو مطالعے کی تاکید رہتی، اگر کسی طالب علم کی خامی ثابت ہوتی
اس کا سبق ناغہ کر دیا جاتا۔ فرماتے کل مطالعہ دیکھکر پڑھنا۔ یہ فرمائش
تلخی یا سختی سے نہ ہوتی بلکہ نرمی سے یوں فرماتے "آج شاید مطالعہ
نہیں کیا جو مطلب سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے کل مطالعہ دیکھکر پڑھنا"۔
یہ روک ٹوک کا سلسلہ خوبی سے ہمیشہ جاری رہتا۔ منجھلے فرزند مولوی
عنایت اللہ صاحب درس دے کر بھوپال میں مفتی مقرر ہو چکے ہیں،
اس زمانے میں ایک خط میں مصئوں (زبروزن مسئول) قلم سے نکلا
مفتی صاحب نے لکھا کہ مصون بروزن مقول ہے ہمزہ کیوں لکھا"۔

ایک اور والا نامے میں فرماتے ہیں (خلاصۃً) عنایت اللہ!
اپنی تعظیم میں نہیں چاہتا تمھاری تحریر کی شائستگی کے خیال سے
لکھتا ہوں کہ بڑوں کے خط میں آخر والسلام کے ساتھ کوئی لفظ تعظیمی
لکھا کرو مثلاً بالاکرام، برابر والوں کو مثلاً ختم الکلام۔

قاضی حسام الدین کشمیری سات برس حاضر درس رہے، اپنی
یادداشت میں لکھتے ہیں کہ اس عرصۂ دراز میں صرف دو یا تین بار

طلبہ کی کج بحثی پر مولوی صاحب کو غصہ آتے میں نے دیکھا، اسی کے ساتھ دوسرے وقت شفقت سے اس کو مطلب سمجھا دیا۔

تدریس کے وقت وقار و تمکین کے ساتھ نشست فرماتے، گھنٹوں برابر ایک پہلو سے بیٹھے رہتے، کتاب ہمیشہ ہاتھ میں کھلی رہتی جماعت میں باری باری سے ایک طالب علم قاری ہوتا، باقی سامع۔ الحمدللہ مجھکو بھی بارہا قاری ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ قاری عبارت پڑھکر ترجمہ کرتا، اس کے خاموش ہونے پر تقریر فرماتے۔ تقریر صاف سلیس اور بسیط ہوتی، طویل نہیں۔ لہجے سے شفقت اور فیض رسانی کا لطف محسوس ہوتا۔ مستعد طلبہ کے لئے پہلی تقریر کافی ہوتی جو نہ سمجھتے ان کے لئے دوبارہ سہ بارہ تقریر فرماتے۔ بشاشت میں فرق نہ آتا۔ اعتراضوں کا جواب نرمی اور تحمل سے دیا جاتا، تمام مراحل طے ہونے پر طلبہ سے دریافت فرماتے "سب نے مطلب سمجھ لیا؟" جواب اثبات میں سُن کر آگے پڑھنے کا حکم ہوتا۔ خوبی تقریر اپنے درس میں میں نے یہ دیکھی کہ قاضی مبارک، حمداللہ، میرزاہد رسالہ اور غلام یحییٰ کے دقیق مطالب پانی ہوکر رواں ہوتے تھے۔ حالت درس میں کوئی خاص ملنے والے آجاتے تو درس بند کرکے ان کی جانب متوجہ ہوجاتے۔ ایک بار مولوی عبدالحق صاحب خیرآبادی تشریف لے آئے۔

حسب عادت درس بند کر کے سرو قد ہو کر پزیرائی فرمائی۔ مزاج پرسی وغیرہ رسمی مراتب گفتگو کے بعد فاضل خیرآبادی نے فرمایا کہ طلبہ کا وقت بہت عزیز ہے۔ حرج نہ فرمائیے۔ قاضی مبارک کا درس ہونے لگا۔ خیرآبادی مولوی صاحب سنتے رہے۔ ختم ہونے پر طلبہ سے کہا کہ تمھارے استاد کی تقریر ایسی ہے کہ اعتراض خود بخود دفع ہوتے جاتے ہیں۔ جب کوئی معرکے کا مسئلہ آنے والا ہوتا تو طلبہ سے فرما دیتے کہ مطالعہ اہتمام سے کرنا، کل فلاں مشکل مسئلے پر گفتگو ہوگی۔ دوسرے روز تقریر ہوتی تو خود اشکال مشکل میں پڑ جاتا، مسئلے کی صاف واضح صورت ذہن میں آجاتی۔ ایسے موقعے پر دوسرے اساتذہ کی تقریریں بھی بیان فرماتے مگر ان پر جرح قدح نہ فرماتے، طلبہ کو خود اندازہ ہو جاتا کہ کون سی تقریر کس پایے کی ہے۔ قاضی سعد الدین مرحوم نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ان کے درس کے زمانے میں صحیح بخاری کا نسخہ کھلا ہوا سیدھے ہاتھ میں پڑھانے کے پورے وقت تک رہتا۔ یہ وقت گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے کم نہ ہوتا۔

حالت درس میں بھی شگفتگی اور تواضع کا جلوہ نظر آتا۔

درس کی خصوصیت یہ تھی کہ تمام علوم یکساں قوت سے پڑھاتے تھے۔ ریاضی کے درس کا تفوق مسلم تھا۔ مطالعے سے ہیئت جدید کے

مسائل پر بھی پورا عبور حاصل فرمالیا تھا۔ متعدد نقشے سیاروں کی تقویم کے (جدید نظام کے مطابق) یادداشتوں میں موجود ہیں، فرماتے تھے قدرت کی وسعت جدید علم ہیئت میں پائی جاتی ہے، قدیم ہیئت نے تو تمام کائنات کو نو دس کروں میں بند کر دیا ہے۔

بڑی اور چھوٹی کتابیں ایک ہی توجہ سے پڑھائی جاتیں ایک بار لڑکپن میں اپنے عم محترم مولوی عبدالشکور خاں صاحب مرحوم کے ساتھ ایک بار چند روز علی گڑھ رہا تھا، حرج سبق کے لحاظ سے ممدوح نے فرمائش کی کہ کوئی طالب علم سبق پڑھانے پر مقرر کر دیئے جائیں، زہے قسمت کہ حضرت نے خود تکلیف فرمائی، بعد مغرب تشریف لاکر سبق پڑھا دیتے، اس وقت میں بدیع المیزان پڑھتا تھا، پہلے روز دیباچہ پڑھوا کر سنا۔ میں نے مؤلف کی نسبت "تلبنی"، (تلبنی بروزن زینبی) پڑھی۔ فرمایا "تلنب بروزن سرنگ، نسبت اس کی طرف تلنبی"۔ اس واقعہ کو نصف صدی سے زیادہ زمانہ گزر چکا۔ اس لفظ کے ادا فرمانے کی آواز آج گویا کانوں میں گونج رہی ہے اور لفظ تلنبی کو دونوں لب ملاکر ادا فرمانا گویا اس وقت آنکھیں دیکھتی ہیں۔

یہ تھا سمجھانے کا دل نشیں انداز۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

درس کی ہر فنی قوت کا اندازہ ذیل کے دو واقعوں سے کرو

یہ دونوں واقعے مولوی سید عبداللطیف صاحب میرے ہم درس نے بیان کئے ہیں۔

ایک مولوی سید محمد علی صاحب مرحوم کان پوری کی زبانی۔ مولوی صاحب صحاح ستّہ کا دور علی گڑھ میں ختم کرکے سہارن پور مولوی احمد علی صاحب مرحوم سے حدیث پڑھنے گئے تھے۔ چنانچہ دورہ ختم کرکے سند حاصل کی۔ فرماتے تھے کہ سہارن پور میں رجال اور اسانید کی تحقیق علی گڑھ سے زائد تھی مگر کتاب اور حدیث کا مطلب اتنا ہی تھا جتنا علی گڑھ میں تھا۔

دوسرا واقعہ خود ان کے والد کی زبانی۔ موصوف نے علی گڑھ میں ادب عربی دوسرے فنون کے ساتھ پڑھا تھا۔ یہاں سے جا کر لاہور میں مولوی فیض الحسن صاحب مرحوم ادیب نامور سے پڑھا۔ بعد فراغ کہا کرتے تھے کہ لاہور میں ایامِ عرب وغیرہ کا بیان بے شک بیشتر تھا، لیکن اشعار کا مطلب علی گڑھ کے درس سے زیادہ نہ تھا، انتہیٰ۔ مولوی صاحب کو ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمہ اللہ کی کتاب دانی اور حل مطالب کا اعتراف تھا۔

تکفیر سے احتراز | مولوی صاحب کا مشرب بہت وسیع تھا کبھی کسی کی تکفیر سے قلم آلودہ نہیں فرمایا، نہ کبھی مسائل اختلافی کے مباحثہ میں

حصّہ لیا، حیدر آباد سے ایک خط میں فرزند دل بند کو لکھتے ہیں کہ :
"حلّتِ زاغ کے مسئلے میں مخالف اور موافق دونوں فریق مجھکو لکھ رہے ہیں اور میری رائے کے جویا ہیں مگر میں اس اختلافی مسئلے پر کچھ نہ لکھوں گا۔ اسی وسعت مشرب کا ظہور ندوۃ العلما کے قیام و ترقی میں ہوا۔

تصنیفا کبھی کوئی تصنیف نہیں کی، تمام وقت اور قوّتِ علمی پڑھانے میں صرف فرمادی۔

فارسی شعر کہتے تھے زیادہ تر تاریخیں۔ بعض منظوم خط شاگردوں کے نام محفوظ ہیں۔ کلام صاف حشو و زوائد سے پاک ہے۔ ایک نعتیہ شعر سن لو

مرا بسوئے خود اے فخر انبیا بر کش
کہ برتری ز سلیمانؑ کمترم از مور

جملہ معترضہ، انگریزی اس قدر جانتے تھے کہ بوقت ضرورت تار وغیرہ پڑھ لیتے تھے۔ مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم جس زمانے میں کان پور میں مدرس تھے، ایک سال وبائی ہیضہ وہاں پھیلا۔ موصوف نے ایک تار اسی اثنا میں والد بزرگوار کے نام کسی ضرورت سے بھیجا۔ مولوی صاحب تار پاکر قدرۃً گھبرا گئے۔ مضطربانہ ایک بابو کے پاس جاکر پڑھوایا۔ اسی روز ارادہ کیا کہ انگریزی اتنی حاصل کرلینی چاہیئے کہ

ایسی ضرورتوں میں محتاج نہ رہے چنانچہ بطور خود مطالعہ کرکے استعداد حاصل فرمالی۔

ندوۃ العلماء کی صدارت

ندوۃ العلما جیسی ہمہ گیر مجلس کی صدارت کے لئے ایسا ہی مقبول عام صدرنشین زیبا تھا جیسے کہ مفتی صاحب تھے۔ اس مجلس کی بنیاد مدرسۂ فیض عام کانپور کی دستار بندی کے جلسوں میں پڑی تھی، اوپر پڑھ چکے ہو کہ یہ مدرسہ سات برس مفتی صاحب کے درس سے فیض یاب رہا تھا۔

شوال ۱۳۱۱ھ میں پہلا اجلاس ہوا، یہ اجلاس اپنی شان اور اجتماع میں خود اپنی نظیر تھا۔ ایک شان یہ بھی تھی کہ ہر فرقے کے صنادید علما شریک جلسہ تھے، علمائے حنفی کے علاوہ اہل حدیث میں سے مولوی ابراہیم آروی، مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، شیعہ مجتہدین میں مولوی غلام الحسنین صاحب کنتوری شریک جلسہ تھے۔ یہ مشاہدہ تھا کہ تمام علما بلا تخصیص فرقہ صدرنشین کی تعظیم و توقیر میں یکساں سرگرم تھے۔ کرسی صدارت حضرت کے جمال و کمال دونوں پر نازاں تھی۔ تحریک صدارت مولوی عبداللہ صاحب ناظم دینیات محمڈن کالج علی گڑھ نے کی، تائید ثانی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی نے کی تقریر تائیدی میں یہ الفاظ بھی تھے۔

"..... مولانا محمد لطف اللہ صاحب کو چونکہ خداوند تعالیٰ نے بسبب عمر و علم کے بزرگی بخشی ہے اور ان کے نام سے خود لطف اللہ مترشح ہے، لہٰذا ہمارے واسطے ایسے بزرگ کا میر مجلس ہونا باعث خیر و برکات اور لطف اللہ ہوگا۔"

مولوی شبلی صاحب بھی مویدین میں تھے، اس موقع پر جو رسالہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے پیش کیا تھا اس میں مفتی عنایت احمد صاحب، مولوی لطف اللہ صاحب اور مولوی احمد حسن صاحب کی بڑی شاندار الفاظ میں مدح و ثنا کی تھی۔

اس جلسے میں ایک واقعہ قابل بیان پیش آیا۔ سہ پہر کے اجلاس میں جب مفتی صاحب داخل ہوئے تو دیکھا کہ عام شرکا کی صف میں دو یورپین بھی بیٹھے ہیں۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ پادری ہیں۔ مولوی صاحب نے علما کی نشست گاہ پر پہنچ کر فرمایا کہ چونکہ یہ دونوں بھی اپنے مذہب کے عالم ہیں لہٰذا اس نشست گاہ پر بیٹھنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ سب نے منظور فرمایا اور دونوں صاحب اوپر آکر بیٹھ گئے۔

دوسرے سال اجلاس لکھنؤ میں شرکت سے معذوری رہی۔ تیسرے برس بریلی کے اجلاس کی صدارت فرمائی۔ یہ اجلاس بھی اپنی شان میں یادگار تھا۔ مخالفت کا دور یہیں سے شروع ہوا۔ ان اجلاسوں میں خطبۂ صدارت کا فقدان برابر محسوس کیا گیا۔

اولاد مفتی صاحب کی شادی جلیسر میں سید رونق علی صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، اس طرح صاحبزادوں کی والدہ اور دادی دونوں سیّدہ تھیں۔

اولاد میں چھ لڑکے تھے، لڑکیاں علاوہ۔ لڑکوں میں محمد کرامت اللہ کا اوائل عمر میں انتقال ہوگیا تھا۔

سب میں بڑے مولوی عبدالقادر مرحوم تھے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں درس نظامی سے فارغ ہوئے مولوی عبدالغنی خاں صاحب اور اپنے والد ماجد کے شاگرد تھے۔ حضرت مولانا فضل رحمٰن مجددی قدس سرہٗ سے بیعت تھے۔ مولوی عبدالحی صاحب مرحوم فرنگی محلی سے مباحثِ علمی پر مراسلت رہتی۔ مدرسۂ فیض عام کانپور میں صدر مدرس رہے۔ علم رمل سے خوب واقف تھے۔ ۲۸ برس کی عمر میں دق کے مرض سے ۱۸۸۲ء میں وفات پائی۔ فارسی شعر کہتے تھے، ایک شعر سن لو۔

دلِ من شاد گردیدن نداند
مگر ایں غنچہ خندیدن نداند

منجھلے مولوی عنایت اللہ صاحب حکیم و حافظ تھے، بڑے بھائی اور والد ماجد کے شاگرد۔ طب سے خداداد مناسبت تھی۔ علاج خوب کرتے تھے۔ جامع مسجد میں اپنے والد ماجد کی جگہ تقرر حیدرآباد کے

زمانے میں کئی سال صدر مدرس رہے۔ وہاں سے بھوپال جاکر اوّل رکن مجلس العلما اس کے بعد مفتی مقرر ہوئے۔ وہیں سنہ ۱۹۳۰ء میں انتقال کیا۔ سرکار عالیہ سلطان جہان بیگم صاحبہ کے ہمراہ حج و زیارت سے مشرف ہوئے تھے، وہاں کے علما سے کلام اللہ، حدیث، قصیدہ بردہ، دلائل الخیرات وغیرہ کی سندیں لائے تھے۔

تیسرے مولوی امانت اللہ صاحب فارغ التحصیل ہوئے، والد اور منجھلے بھائی کے شاگرد تھے۔ میں اُن کا ہم سبق رہا۔ حیدر آباد مفتی صاحب کے ساتھ گئے اور فارغ التحصیل ہو کر لوٹے۔ منجھلے بھائی کے بھوپال جانے پر جامع مسجد میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ برسوں پورے انہماک اور اہتمام کے ساتھ جملہ علوم کا درس دیا۔ خاندانی فن ریاضی میں امتیاز تھا۔ بہت خاموش اور باوضع تھے۔ پورے مدرس تھے سوائے پڑھانے کے کوئی مشغلہ محبوب نہ تھا۔ باسٹھ ۶۲ برس کی عمر کا سرمایہ دو لفظ ہیں "پڑھا اور پڑھایا۔" اپریل سنہ ۱۹۳۱ء میں انتقال کیا۔ غفرلہم۔

چوتھے مولوی سلامت اللہ عربی کے ساتھ انگریزی بھی پڑھی۔ درسی کتابیں ختم نہ کر سکے، حج سے مشرف ہوئے، عدم فراغ کی تلافی یہ ہے کہ نورِ نظر مولوی حفیظ اللہ جامع مسجد میں مسندِ تدریس پر بعد فراغ متمکن ہیں، ریاضی میں ترقی کر رہے ہیں۔

سب سے چھوٹے عبدالحمید انگریزی، فارسی پڑھی، آخرالذکر دونوں صاحبزادے بقیدِ حیات ہیں سلمہا اللہ تعالیٰ۔

مفتی صاحب کی دستار کمال میں ایک طرّۂ امتیاز یہ بھی ہے کہ پانچ صاحبزادوں میں سے تین صاحب تدریس ہوئے، ایک پوتے۔ اولاد سے مفتی صاحب کو معمول سے زیادہ محبت تھی، اُن کی تھوڑی سی تکلیف بھی نہ دیکھ سکتے تھے۔ قضائے الٰہی کئی لختِ جگر آنکھوں کے سامنے پیوندِ خاک ہو گئے، سب سے زیادہ صدمہ مولوی عبدالقادر صاحب کی وفات کا تھا اور بجا تھا۔

تلامذہ جو درس چونتیس ۳۴ برس مسلسل اور متفرق طور پر ستّر برس جاری رہا اس کے فیض یاب تلامذہ کا استقرار کون کر سکتا ہے، خصوصاً جب کہ شمار اور ضبط کی کبھی پروا ہی نہ کی گئی ہو۔ دریا مصروفِ تواجی رہا، امواج کی شمار کون کرتا!

حضرت کے شاگرد مولوی احمدالدین مدرس مدرسہ وان پور (راشدہ، سرحد) نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک موقع پر ان کے وطن میں اہلِ علم کا مجمع تھا۔ مفتی صاحب کے فضل و کمال کا ذکر ہونے لگا۔ اسی ضمن میں شاگردوں کی کثرت کا مذکور ہوا۔ سلسلۂ کلام میں سرحد کے ایک خاص وسیع قطعے کے شاگرد شمار کئے گئے، معلوم ہوا کہ شاگرد

اور شاگردوں کے شاگرد ڈھائی سو کی تعداد میں مصروفِ تدریس تھے۔ میں اس بیان کو کذب پر محمول نہیں کرتا، تم کو اختیار ہے کہ مبالغہ مان کر اپنی ہمت کے مطابق تعداد کم کردو، گھٹاؤ جو تعداد رہے گی کثیر ہی رہے گی۔

خود مفتی صاحب اور صاحبزادوں کی تحریر سے تلامذہ کے جو نام معلوم ہو سکے درج ذیل ہیں۔ بعض نام میں نے اپنی یاد سے بھی بڑھائے ہیں۔

دیکھو گے کہ شاگردوں میں بہت سے علما ایسے ہیں کہ ان کے تذکرے لکھے جائیں تو علم میں اضافہ ہو۔

تین صاحبزادگانِ گرامی قدر مولوی عبدالقادر صاحب[1]، مولوی حافظ عنایت اللہ صاحب[2]، مولوی امانت اللہ صاحب[3]۔ مولوی سید محمد علی صاحب کان پوری[4]، مولوی عبدالغنی خاں صاحب مئو رشید آبادی[5]، مولوی احمد حسن صاحب کان پوری[6]، مفتی عبداللہ صاحب ٹونکی[7]، مولوی سید محمد اسحاق صاحب پٹیالوی[8]، مولوی عبدالحق صاحب حقانی دہلوی[9]، مولوی عبدالحق صاحب فتح پوری[10]، مولوی وحید الزماں خاں وقار نواز جنگ[11]، مولوی محمد اسحاق صاحب اسرائیلی[12]، مولوی محمد یعقوب صاحب اسرائیلی[13]، حکیم محمد یوسف اسرائیلی[14]، مولوی سعید ظہور الاسلام[15]

فتح پوری، مولوی الٰہی بخش پنجابی، مولوی عبدالقدوس پنجابی، مولوی فضل احمد افغانی (ریاضی میں ماہر وقت)، مولوی آل حسن مراد آبادی، مولوی بشیر احمد صاحب علی گڑھی (اب بھی استاد بکرم کے مدرسے میں سرگرم تدریس ہیں سلمہ اللہ تعالیٰ) مولوی فضل حق صاحب رام پوری صدر مدرس مدرسۂ عالیہ رام پور، حکیم عبدالقادر خاں شاہجہاں پوری افسر الاطبا ریاست بھوپال، مولوی قمر الدین اجمیری مدیر رسالہ مآل التہذیب، مولوی نادر الدین، مولوی شمس الدین پنجابی، مولوی راغب اللہ پانی پتی، مولوی محمد اسحاق صاحب سنبھلی، مولوی ہدایت اللہ جلیسری، مولوی عنایت اللہ پنجابی، مولوی دوست محمد خاں ساکن سکندرہ راؤ، مولوی محمد ہاشم سنبھلی (میرے ہمدرس)، مولوی سید عبداللطیف صاحب پروفیسر جامعۂ عثمانیہ (میرے ہمدرس)، مولوی نور محمد پنجابی مدرس مدرسہ فتح پور ہنسوہ (عجب صاحب دل ہستی تھی) مولوی الہ داد خاں بنگالی، مولوی احسان علی بنگالی، مولوی حافظ گوہر الدین، مولوی عبدالفتاح، مولوی حافظ محمد فاروق مولوی ماجد علی مدرس مشہور، مولوی عبدالرزاق بنگالی، مولوی ملا ہرید پنجابی، مولوی محمد عثمان وزیری مدرس مدرسۂ بھوپال، مولوی محب اللہ صاحب ولایتی خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی،

مولوی پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گلڑہ ضلع راولپنڈی) ایک عالم خود
ان سے فیض یاب ہے) مولوی امان اللہ کشمیری، قاضی سعد الدین کشمیری،
مولوی ابو سعید، مولوی عبداللہ پنجابی، مولوی شرف الدین، مولوی نور محمد
سندھی، مولوی عبداللہ قائم گجراتی، مولوی عبدالعزیز مدراسی، مولوی
عبدالصمد بنگالی (اُستاد کے شیدائیوں میں سے) قاضی سراج احمد گجراتی،
مولوی محمد علی انبیٹھوی، مولوی سبز علی ولایتی، مولوی سیف الرحمن
ولایتی صدر مدرس مدرسہ فتح پوری وغیرہ، مولوی پردل خان ولایتی،
مولوی اخلاق احمد سہسوانی، مولوی حافظ محمد صدیق پوربی، مولوی
لطف الرحمن بردوانی (ریاست بھوپال میں تعلیم کے ڈائرکٹر رہے)،
مولوی پیر محمد ولایتی (مدرسہ جامع مسجد کول میں مدرس رہے)، مولوی
گل محمد ولایتی مدرس ایضاً، مولوی حافظ کعب ظہیر، مولوی عبداللہ
کاشغری، مولوی منیر محمد ولایتی، مولوی احمد الدین ولایتی، مولوی
میر عبداللہ ولایتی، مولوی خدا داد بنگالی، مولوی خواجہ محمد یوسف
وکیل مشہور، مولوی خواجہ محمد اسمعیل وکیل، مولوی رفیع الدین وکیل۔
حکیم رفیع الدین، حکیم شیخ محمد یوسف علی، مولوی قاری کرم الہی (فارسی و
تجوید کے اُستاد تھے) مولوی بدر الدین مدرس مسلم یونیورسٹی، مولوی
یونس خان رئیس دتاولی، مولوی صدیق حسین (مدرس مدرسہ جامع مسجد

میرے ہمدرس)، مولوی اظہر حسین بہاری حیدرآبادی (میرے ہمدرس اور مولوی اشرف حسین استاد حضور نظام مرحوم کے فرزند) مولوی حاجی عبدالرحمن خاں مارہروی، ننگ تلامذہ راقم شروانی۔

اس درس کی ایک سعادت یہ بھی تھی کہ اکثر تلامذہ درس نظامی سے فارغ ہو کر گنج مرادآباد میں حضرت مولانا فضل رحمن مجددی قدس سرہ سے شرف بیعت حاصل کرتے۔ مثلاً سابقون اولون میں مولوی سید محمد علی صاحب کان پوری، مولوی عبدالغنی خاں صاحب، مولوی عبدالحق صاحب حقانی، مولوی احمد حسن صاحب (مرید حضرت حاجی صاحب کے تھے، مگر پیر کی اجازت سے حاضر باش آستانۂ مبارک رہے) متوسطین میں مولوی سید ظہور الاسلام صاحب، مولوی نور محمد صاحب پنجابی، متاخرین میں مولوی سید عبداللطیف صاحب، خاکسار راقم۔

حضرت پیر و مرشد کو بھی مفتی صاحب کے حال پر توجہ تھی، ایک بار کی حاضری میں مجھ سے فرمایا کہ مولوی لطف اللہ کو جانتے ہو؟ عرض کیا جانتا ہوں۔ فرمایا خدمت کرتے ہو؟ عرض کی بزرگ خدمت کرتے ہیں۔ دیکھو اس استفسار کی برکت، مفتی صاحب کی آخری حیات میں خاکسار کو بھی خدمت کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ فہرست اپنی کوتاہ دامنی پر شرمسار ہے۔

خاتمہ و حاصل کلام | ایک مدرس اعظم کا مرقع سامنے ہی جس سے تم بہت سے سبق حاصل کر سکتے ہو۔

حبیب گنج۔ ضلع علی گڑھ
چہار شنبہ ۲۸ رمضان المبارک
۱۳۵۱ھ
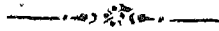
محمد حبیب الرحمن خاں شروانی
(صدر یار جنگ)

قطعۂ تاریخ وفات
از مؤلف
چوں مولانا لطف اللہ
بودہ اُستاذ العلما
حسرت سال وفاتش
اُستاذ العلما گفتا
۱۳۳۴ھ

نواب صدر یار جنگ بہادر کی تصانیف

ذکر حبیب | یہ رسالہ حضور آقائے نامدار صلعم کے حالات میں مختصر سیرت مقدسہ ہے اور مجالس میں پڑھنے کے لیے نہایت موزوں ہے۔ قیمت ۱/

ذکر جمیل | یہ کتاب حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات میں ہے اور درحقیقت آپ کی مقدس زندگی و پاکیزہ اخلاق کا مرقع ہے جس کے پڑھنے سے قلب پر خاص اثر پڑتا ہے۔ یہ مختصر رسالہ اس قابل ہے کہ محافل و مجالس میلاد شریف میں پڑھا جائے۔ زبان کی لطافت و شیرینی اور بیان کا حسن و قابل داد ہے .. .. قیمت ۳/

سیرۃ الصدیق | حضرت خلیفہ اول کے پاک حالات
نہایت اعلیٰ درجہ کے چھپے ہوئے۔ حجم تقریباً پونے دو سو صفحے قیمت ۱۰/

ذکر محبوب | یعنی وہ بیان جو نواب صدر یار جنگ بہادر نے گیارہویں شریف کی تقریب میں ٹولی مسجد حیدرآباد (دکن) میں بتاریخ ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۵۴ھ کیا جس میں حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کے پاکیزہ حالات نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ .. .. قیمت ۲/

نقش وفا | حقوق و فرائض زوجین کے متعلق نہایت بیش بہا نصائح و مفید ہدایات دستور العمل بنانے کے قابل ہیں۔ نوشتہ جناب مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی حسرت و جناب نفیس دلہن صاحبہ وردانہ .. .. .. قیمت ۸/

ملنے کا پتہ محمد مقتدی خاں شروانی علی گڑھ

استاذ العلماء

حضرت مفتی محمد لطف اللہ صاحب مرحوم کے سوانح جن کے ضمن میں ان کے استاذ مفتی عنایت احمد صاحب شہید اور استاذ الاستاذ مولوی بزرگ علی صاحب مرحوم کے کچھ مختصر حالات اور مفتی صاحب مرحوم کے اجل شاگردوں کے اسماء بھی شامل ہیں۔ اس رسالہ سے اپنے سے پہلے زمانہ کے اساتذہ اور تلامذہ کے طریق افادہ و استفادہ پر عمدہ روشنی پڑتی ہے۔ تعلیم قدیم و جدید دونوں سے تعلق رکھنے والوں کے لیے یکساں سبق آموز ہے .... قیمت ۳؍

تبصرہ

(ریویو) تاریخ خطیب بغدادی پر۔ یہ کتاب تاریخ اسلام کے متعلق نہایت معرکۃ الآرا کتاب ہے جو نایاب خیال کی جاتی تھی اور حال ہی میں چھپ کر آئی ہے۔ خود کتاب پر ریویو کے علاوہ مصنف (خطیب بغدادی) مشاہیر بغداد محمد بن اسحق صاحب سیرۃ، محمد بن جریر طبری، امام ابوحنیفہ اور ان کے فقہا اور اساطین فقہ حنفی مثلاً حضرات علمائے امت عبداللہ بن مسعود، علقمہ، اسود، شرحبیل، مسروق، شریح، ابراہیم، حماد، محمد، ابو یوسف وغیرہم رضی اللہ عنہم اور فقہ حنفی پر نہایت دلچسپ اور مدلل و دل مقالے ہیں .... قیمت ۵؍

خطبۂ افتتاحیہ

حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ از مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی۔ کہنے کو تو یہ کانفرنس کا خطبۂ صدارت ہے۔ لیکن جو کچھ ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اس کا ایک ایک لفظ عبرت و بصیرت کا باعث اور خواب غفلت سے بیدار کرنے والا ہے ضخامت ۲۰ صفحے۔ قیمت ایک آنہ ۱؍

ملنے کا پتہ محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ

ذکرِ شریف — ایک مجلس میلاد کی تقریر جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک حالات اور مبارک عادات اور بطور نمونہ چند معجزات کا نہایت عمدہ پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے ... قیمت ۳ر

پیغامِ رحمت — یوم النبی کے موقع کی تقریر جس میں بتایا گیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے خدا کی طرف سے اُس کے بندوں کو توحید، امن، علم، مساوات، اخوت، حقوق، عدل، پارسائی، تقویٰ اور صفائی و پاکیزگی کے کیسے کیسے جاں پرور پیغام ملے ... قیمت ۲ر

اسلامی اخلاق — مضمون اخلاق پر دلنشین بحث کرنے کے بعد اچھے اور بُرے اخلاق کے متعلق کثیر التعداد حدیثوں کا اردو ترجمہ دیا ہے اور اخلاق جیسے خشک مضمون کو شگفتہ بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ بڑوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ قیمت ۸ر

عرضِ اخلاص — ایک تقریر جس میں بتایا گیا ہے کہ مسلمان لڑکیاں ضرورتِ زمانہ کے مطابق ضرور عمدہ تعلیم پائیں۔ مگر اس طرح کہ شعائرِ اسلام پر نہایت استحکام کے ساتھ قائم رہیں اور سادہ اسلامی معاشرت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں ... قیمت ۲ر

تذکرۂ بابر — ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کی بنیاد رکھنے والے شاہ ظہیر الدین بابر غازی کے نہایت دلچسپ حالات جو اخلاقی اور تاریخی دونوں حیثیتوں سے نہایت دلچسپ اور قابلِ مطالعہ ہیں۔ قیمت ۶ر

ملنے کا پتہ محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ

(ذیل کی تین کتابیں (۱) ذکر مبارک (۲) یادِ ایام اور (۳) گنجینہ سلیمانی۔ نواب صدر یار جنگ بہادر کی مصنفہ نہیں ہیں البتہ ممدوح کی پسند کردہ ہیں)

ذکر مبارک

یہ کتاب حضرت سرور کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر مگر معتبر و مستند سوانح عمری ہے۔ باوجود اختصار کوئی ضروری بات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کے متعلق ایسی نہیں ہے جو اس کتاب میں موجود نہ ہو۔ مثلاً حضور کے خاندان ولادت، رضاعت اور ایام طفولیت کے واقعات لکھنے کے بعد زمانہ نبوت سے پہلے کے حالات بیان کئے ہیں۔ اس کے بعد عہد نبوت اور مکہ معظمہ کے زمانہ قیام کے سبق آموز حالات اور کفار سے جو معاملات پیش آئے اُن کا ذکر ہے۔ پھر ہجرت اور قیام مدینہ منورہ کے زمانہ کے حالات اور تمام لڑائیوں کا تذکرہ ہے اس کے بعد تمام ضروری حالات زمانہ وفات تک کے لکھے ہیں۔ اخیر میں ازواج مطہرات و اولاد کا مفصل تذکرہ اور پھر بہت خوبی کے ساتھ آپ کے تمام محاسن و اخلاق کا تذکرہ ہے۔ کتاب ۹۹ عنوانوں پر منقسم ہے۔ علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال مرحومہ نے تین مرتبہ کتاب کو بغرض حصول ثواب شائع کیا۔ ایک ہزار جلدیں کانفرنس کو بغرض تقسیم عطا فرمائی تھیں جب اخبارات میں اعلان کیا گیا تو قریباً تین ہزار درخواستیں اس کی طلب میں آئیں جب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی کو مسلمانوں کی اس رجحان و شوق کا حال معلوم ہوا تو ممدوح نے بغرض حصول ثواب دو ہزار جلدیں اپنے صرف سے طبع کرائیں افادہ عام کے خیال سے اس کی بہت کم قیمت رکھی ہے تاکہ ہر شخص آسانی سے اس کو خرید کر اپنے مولیٰ و آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ حالات معلوم کر سکے۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ خوش حال مسلمان اس کی سیکڑوں جلدیں خرید کر مکتبوں، مسجدوں اور غریب مسلمانوں میں تقسیم کر کے ثواب دارین حاصل کریں۔ قیمت ۵؍

ملنے کا پتہ محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ

یاد ایام

مصنفہ جناب مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء جس کو فاضل مصنف نے جناب مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کی خواہش پر تالیف فرمایا ہے۔ اس رسالہ میں عہد اسلامی میں صوبہ گجرات کی علمی ترقی کی ولولہ انگیز تاریخ نہایت تحقیق و کاوش سے لکھی گئی ہے۔ جس کے مطالعہ سے دور ماضی کا علمی مرقع ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ خطۂ گجرات بھی سلاطین اسلام کے زمانہ میں علم و فن کا ایک شاندار مرکز تھا۔ مصنف کی تحقیقات و کاوش قابل ستائش ہے لکھائی چھپائی عمدہ قیمت بارہ آنے ۱۲/

گنجینۂ سلیمانی

شاہ آباد اودھ کا ایک مردم خیز قصبہ ہے یہاں گزشتہ ایام میں ایک نہایت نامور طبیب پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے کمال فن کی بدولت واجد علی شاہ آخری شاہ اودھ سے خان بہادر معالج الدولہ کا خطاب پایا۔ اس کے بعد بھوپال میں بہت عروج حاصل کیا اور ریاست کے افسر الاطباء کے عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ آپ کیا بہ لحاظ کمال فن طب اور کیا بہ لحاظ کیرکٹر غیر معمولی شخص تھے۔ اپنی زندگی میں بڑے بڑے کام انجام دیئے۔ آپ کا دماغ خاص طور پر سیاسی واقع ہوا تھا جس سے آپ نے خوب کام لیا۔ اگر آپ یہ سب دلچسپ حالات معلوم کرنا چاہتے ہیں تو گنجینۂ سلیمانی کا مطالعہ کیجئے یہ کتاب حکیم صاحب یعنی معالج الدولہ خان بہادر حکیم سید فرزند علی صاحب افسر الاطباء کے ایک ہم وطن نے لکھی ہے جو تمام حالات سے واقف ہیں اور جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولنا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے اپنے مصارف سے طبع کرائی ہے۔ لکھائی کاغذ سب چیزیں نہایت عمدہ ہیں قیمت نہایت کم رکھی گئی ہے تاکہ کتاب کی اشاعت زیادہ ہو اور لوگ فائدہ اٹھائیں۔ قیمت عہ

(ملنے کا پتہ محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ)

شروانی بک ڈپو

بفضل خدا شروانی پرنٹنگ پریس کے ساتھ ایک بک ڈپو
بھی شروانی بک ڈپو کے نام سے قائم ہے جس میں اردو کے
نامور و مستند قدیم و جدید اہل قلم کی تصانیف موجود ہیں اور
بکفایت ہدیہ ہوتی ہیں اور معقول رقم کی خریداری پر مناسب
کمیشن بھی دیا جاتا ہے۔ بڑوں بچوں اور خواتین کے مطالعہ
لائق صرف سنجیدہ اور اعلیٰ مذاق کی اپنی اور دیگر مطابع
کتاب خانوں کی کتابیں رکھی جاتی ہیں۔ کتابوں کی فہرست
اور جملہ خط و کتابت کے لئے پتہ :

محمد مقتدیٰ خاں شروانی، علی گڑھ

بفضل خدا
شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں لوہے
اور پتھر دونوں قسم کے چھاپوں میں عربی، فارسی،
اردو، ہندی، انگریزی کا ہر قسم کا کام نہایت صحت
اور کفایت کے ساتھ ہوتا اور وقت پر دیا جاتا ہے
کتابوں کی فرمائش اور ہر قسم کی خط و کتابت
کے لئے پتہ :
محمد مقتدی خاں شروانی علی گڑھ